إِنْ أُرِيْدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ

جون ۲۰۱۷ء

ماہنامہ

البرہان

لاہور

مدیر ڈاکٹر محمد امین

ماہنامہ البرہان لاہور

جلد ۲۱، شمارہ ۶، جون ۲۰۱۷ء/ رمضان المبارک ۱۴۳۸ھ

مشمولات

O فکر و نظر

آخری مورچہ | مدیر | ۴

O تعلیم و تبیت

پنجاب میں تعلیم کا فروغ ۔ کیوں اور کیسے؟ | پروفیسر ملک محمد حسین | ۵

O توہین رسالت

۔ تحفظِ ناموسِ رسالت اور علماء کا کمزور پڑتا موقف | ڈاکٹر محمد امین | ۷

۔ ایک گستاخِ رسول کے قتل کی وڈیو دیکھ کر عشاقِ مصطفیٰ
کی مذمت کرنے والے ایک عالمِ دین سے مکالمہ | سید خالد جامعی | ۲۱

O اسلام اور پاکستان

۔ کیا انتخابات پاکستان میں تحفظ وغلبۂ اسلام کا ذریعہ ہیں؟ | مدیر | ۴۹
ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری صاحب سے ایک مکالمہ

۔ تہذیبی ارتداد میں غامدی صاحب کا کردار | ڈاکٹر نادر عقیل انصاری | ۵۷

فکر و نظر

آخری مورچہ

عوام نے اپنا فیصلہ سنا دیا۔ اُس وقت بھی جب شہید ممتاز قادریؒ کا جنازہ پاکستان کی تاریخ کا سب سے بڑا جنازہ بن گیا اور اُس وقت بھی جب مردان یونیورسٹی کے ہزاروں پڑھے لکھے طلبہ اور ملازمین نے ایک گستاخ رسول کا سر تن سے جدا کر دیا۔

اسلام اور مسلم دشمن مغرب اور اس کی پشت پناہی سے ہمارے گماشتہ حکمران، ہماری مغرب زدہ عدلیہ، فوج اور بیوروکریسی، مغرب کا بھونپو میڈیا اور ہمارے متجدد اسلامی سکالرز... یہ سب توہین رسالت کے حوالے سے امت کے متفقہ موقف کی مخالفت پر کمر بستہ ہیں۔

بعض دینی قائدین اور علماء کرام اس لیے توہین رسالت کے معاملے میں کھل کر عوام کی رہنمائی نہیں کرتے اور توہین رسالت کے خلاف تحریک کو متحد ہو کر قیادت مہیا نہیں کرتے کہ انہیں اسمبلیوں کی نشستیں اور وزارتیں اور اپنے اپنے مسلک اور فرقے کے مفادات دین سے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناموس سے عزیز تر ہیں.... تفو بر تو اے چرخ گردوں تفو۔

لہٰذا، اب ہم مسلمان عوام سے اپیل کرتے ہیں کہ یہ گونگی محبت ترک کر دو، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت ہمارا آخری مورچہ ہے اور ہمیں اسے ہر قیمت پر گرنے سے بچانا ہے۔ لہٰذا اٹھو! منظم ہو جاؤ، متحرک ہو جاؤ، اپنی قیادت آپ پیدا کرو اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین کو کھیل بنانے والوں، توہین کی حوصلہ افزائی کرنے والوں، توہین پہ خاموش رہنے والوں اور توہین پر مداہنت برتنے والوں کو خس و خاشاک کی طرح بہا لے جاؤ۔

انقلاب و انقلاب و انقلاب

تعلیم و تربیت

پروفیسر ملک محمد حسین

پنجاب میں تعلیم کا فروغ۔ کیوں اور کیسے؟

ہم پہلی بار پاکستان میں فروغ تعلیم کی بجائے پنجاب میں تعلیم کے فروغ کی بات کر رہے ہیں۔ اس لیے نہیں کہ پاکستان میں تعلیم کا فروغ ہمیں مقصود و مطلوب نہیں ہے بلکہ صرف اس لیے کہ جناب شہباز شریف نے اپنے پچھلے دورِ حکومت میں بھی اور موجودہ وزارت علیا کے دوران بھی بہت بلند آہنگ طریقے سے فروغِ تعلیم کا نعرہ لگایا ہے۔ شہباز شریف صاحب کے پیش رو جناب پرویز الٰہی بھی بطور وزیر اعلیٰ پنجاب شعبہ تعلیم پر کم از کم بیانات کی حد تک بھرپور توجہ دیتے رہے ہیں اور اپنے تعلیمی منصوبوں اور اقدامات کی تعریف ورلڈ بینک، ایشین ڈویلپمنٹ بینک اور دیگر فارن ڈونر ایجنسیز سے کراتے رہے ہیں۔ ہمیں ہر دو وزراء اعلیٰ خصوصاً جناب شہباز شریف کی تعلیم کے لیے تڑپ اور خلوص پر کوئی شک و شبہ نہیں ہے لیکن بر بنائے علم و مشاہدہ ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ پبلک سیکٹر کے تعلیمی اداروں میں سہولتوں کی فراہمی، تعلیمی نظم و ضبط اور معیارِ تعلیم کے حوالے سے بیڑہ غرق ہونے کی جو کیفیت طاری تھی اس میں وقت کے ساتھ ساتھ اضافہ ہی ہوا ہے۔ وفاقی اور صوبائی سطح پر فیصلہ سازوں کا انگلش اور انگلش میڈیم کا جنون غریب والدین کے غریب بچوں کی تعلیم کے لیے، جو مناسب سہولتوں اور انگریزی کے اساتذہ کے بغیر سرکاری سکولوں میں انجام پا رہی ہے، بہت نقصان کا باعث بن رہا ہے۔ دور دراز کے اضلاع کے سکولوں خصوصاً دیہاتی اور قصباتی سکولوں کی حالت تو رہی ایک طرف شہر لاہور کے بہت سارے سکول ناگفتہ بہ حالت میں ہیں۔

سہولتوں کے فقدان اور خراب حالاتِ کار کے ساتھ جناب وزیر اعلیٰ کے خوف سے مانیٹرنگ ٹیموں اور خوف زدہ تعلیمی بیوروکریسی کی احمقانہ پکڑ دھکڑ مثبت حالاتِ کار اور بار آور تعلیمی ماحول کا ستیا ناس کر رہی ہے۔ مختلف اوقات میں وزیر اعلیٰ پنجاب جناب شہباز شریف جن خیالاتِ عالیہ کا اظہار کرتے رہتے ہیں وہ قابل تحسین ہیں لیکن میڈیا کی خبروں کے مطابق مختلف میٹنگز میں سر برآوردہ مشاورتی رول تعلیم کے سابق سیکرٹری صاحبان کا اور افسر شاہی کا ہوتا ہے۔ تعلیم کے سیکرٹری صاحبان سابق ہوں یا حالیہ! یہ صاحبان تعلیمی حقائق، تعلیمی مسائل اور اساتذہ و طلبہ کی تعلیمی مشکلات سے اتنے ہی نابلد ہوتے ہیں جتنے اہل تعلیم ریونیو (Revenue) اکٹھا کرنے اور معاشرے میں امن و امان برقرار رکھنے کے معاملے میں لاعلم ہوتے ہیں۔ شعبہ تعلیم کے مسائل و مشکلات کو جاننے کے لیے اگر کوئی معروضی مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلے گا کہ سیکرٹیریٹ

کے سینئر کلرک اور سیکشن آفیسر کی نوٹنگ ڈرافٹنگ پر چلنے والا صوبائی محکمہ تعلیم ،جس کی فائلوں پر آخری گھگھی سیکرٹری تعلیم مارتا ہے، ساری خرابی کا ذمہ دار ہے۔حال ہی میں ہٹائے جانے والے سیکرٹری تعلیم جناب عبدالجبار شاہین اگرچہ ایک قابل آفیسر مشہور رہیں لیکن اپنی سیکرٹری شپ کے دوران جوانتظامی اقدامات وہ کرتے رہے انہیں دیکھ سُن کر سر پیٹنے کو دل چاہتا ہے۔اس لیے نہیں کہ موصوف نے مذکورہ اقدامات کسی بدنیتی کی بنا پر کیے بلکہ اس لئے کہ موصوف شعبہ تعلیم کے حقیقی مسائل کا بربنائے علم وتربیت ادراک ہی نہیں رکھتے تھے۔

سوات، مالاکنڈ، فاٹا اور پریشانی کا شکار اسی طرح کے دوسرے علاقے جس طرح انتہائی پیچیدہ صورتِ حال سے دوچار ہیں، صوبہ پنجاب کا محکمہ تعلیم شاید اس بھی پیچیدہ تر صورت حال کا شکار ہے۔ جن عطار کے لونڈوں یعنی سول بیوروکریسی نے سرکاری تعلیمی اداروں کی حالت خراب کی ہے اب انہی شرفاء سے بیماری کا علاج پوچھنا اور انہی کے ذریعے دوادارو کرنے سے تعلیم کا مسئلہ حل نہیں ہوگا۔ سیاستدان، سیاسی جماعتیں اور میرٹ کے بغیر سیاسی بنیادوں پر بھرتی کیے جانے والے سیاسی اساتذہ بھی خرابی کے برابر کے ذمہ دار ہیں۔ 1972ء کے بعد تعلیم کے شعبہ میں خاص طور پر سکولوں میں اساتذہ کی بھرتیاں سیاسی بنیادوں پر ہوتی رہی ہیں۔اب جو میرٹ کے بغیر آئے گا وہ کیوں محنت، دیانت اور تعمیر سیرت کا خیال رکھے گا۔محترم وزیراعلیٰ پنجاب اگر اپنے خوابوں کی تعبیر اور صوبے میں واقعی تعلیمی انقلاب لانا چاہتے ہیں تو ایسے بزرگ اساتذہ کی کانفرنس بلائیں جو نہ کبھی سفارش پر بھرتی ہوئے، نہ سفارش پر تبادلے کرائے اور نہ ہی کبھی کوئی غیر قانونی مفاد حاصل کیا۔ان میں پرائمری کے اساتذہ بھی ہوں، مڈل اور ہائی سکولوں کے اساتذہ بھی ہوں اور کالج، یونیورسٹی کے اساتذہ بھی ہوں۔ وزیراعلیٰ پنجاب اس وقت تک مجوزہ کانفرنس میں ان اساتذہ کی باتیں سنیں جب تک وہ سناتے رہیں۔اس طرح تعلیم کے حقیقی مسائل، مشکلات اور خرابیاں سامنے آئیں گی جس کے نتیجے میں انشاء اللہ تیر بہدف حل بھی دریافت ہوسکیں گے۔تعلیم وتربیت کا کام تو عزت ووقار کے ماحول میں ہوسکتا ہے۔یہ کام محبت، سکون اور حوصلہ افزائی مانگتا ہے۔آنسو گیس اور لاٹھی چارج کا ماحول تعلیم کے لیے زہر قاتل کی طرح ہوتا ہے لیکن مقامِ افسوس کہ ہمارے تعلیمی منتظمین خصوصاً سول بیوروکریسی کو آنسو گیس اور لاٹھی چارج کے علاوہ کسی اور طریقے کی تربیت ہی نہیں ہوتی، لہٰذا کارِ تعلیم وقوع پذیر ہی نہیں ہوتا۔ لاکھوں لیپ ٹاپ اربوں روپے کے پنجاب ایجوکیشنل انڈومنٹ فنڈ کے سکالرشپ اور کروڑوں اربوں روپے کی دیگر مدات بے اثر رہیں گیں اس وقت تک جب تک شعبہ تعلیم کا انتظام وانصرام تعلیم کے تقاضوں کے مطابق نہیں کیا جاتا۔

توہین رسالت

ڈاکٹر محمد امین

مغرب کے پیدا کردہ دباؤ اور میڈیا وار کے نتیجے میں

تحفظِ ناموسِ رسالت اور علماء کا کمزور پڑتا موقف

[یہ سطور ردّ عمل ہیں ہمارے دوستوں علامہ محمد خلیل الرحمن قادری (ماہنامہ سوئے حجاز، مئی ۲۰۱۷ء) ڈاکٹر حافظ حسن مدنی (ماہنامہ محدث، مارچ ۲۰۱۷ء) اور مولانا زاہد الراشدی صاحب (پاکستان شریعت کونسل کے اجلاس میں تقریر اور کالم روزنامہ اسلام کراچی) کی تحریروں کا جن میں انہوں نے سانحۂ مردان کے ذمہ داران اُن عشاق مصطفیٰ کی مذمت کی ہے جنہوں نے گستاخ رسول کو قتل کیا تھا]

مقدسات فطری ہیں....مگر

۱۔ ہر مذہب، تہذیب، قوم کے کچھ مقدسات ہوتے ہیں۔ یہ بالعموم وہ نظریات (یا ان نظریات پر استوار وہ ادارے) ہوتے ہیں جو اس مذہب، تہذیب قوم کی بنیاد ہوتے ہیں۔ ان نظریات کو مقدس سمجھنا اور مقدس قرار دینا فرد اور معاشرے کی فطری ضرورت ہوتی ہے کیونکہ ان بنیادی نظریات سے وابستگی سے ہی متعلقہ مذہب، تہذیب، قوم وجود میں آتی ہے۔ لہٰذا کسی مذہب، تہذیب، قوم کا اپنے بنیادی نظریات کو مقدس قرار دینا، کسی کو ان کی خلاف ورزی کی اجازت نہ دینا، ان کے تقدس کو پامال کرنے والے کو سزا دینا اور اس کے لیے قانون سازی کرنا معروف اقدامات ہیں۔ ہاں! البتہ ہر مذہب، تہذیب، قوم کے مقدسات مختلف ہو سکتے ہیں اور ہوتے ہیں۔

۲۔ مغربی تہذیب کے علمبردار معاشروں کے اہم مقدسات یہ ہیں:

- فرد کا مختار مطلق ہونا (فرد کی حاکمیت اعلی، بنیادی انسانی حقوق کا چارٹر)....ہیومنزم
- آزادی (مثلاً لامحدود آزادی اظہار رائے)....لبرل ازم
- جمہوریت (پارلیمنٹ کی بالادستی اور آئین کا تقدس)
- نظام سرمایہ داری (سود۔فری مارکیٹ اکانومی)....کیپٹل ازم

* معاشرے اور ریاست میں خدا اور مذہب کا کوئی کردار نہ ہونا.... سیکولرزم
* اسرئیل کا وجود (یہاں تک کہ ہولوکاسٹ پر سوال اٹھانا بھی قابل سزا جرم ہے)

۳۔ مسلم معاشروں کے اہم مقدسات یہ ہیں: ذات باری تعالیٰ۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ذات گرامی۔ کتاب اللہ (قرآن مجید)۔ اسلام (بطور دین)۔ مقامات میں سے کعبۃ اللہ (مکہ مکرمہ میں)، سالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی مسجد اور روضہ مبارک (مدینہ منورہ میں) اور مسجد اقصیٰ (بیت المقدس میں)۔

۴۔ مغرب اگر اپنے مقدسات کو اہمیت دیتا ہے تو یہ اس کا حق ہے اور چونکہ مغرب اور اس کی تہذیب اس وقت غالب اور بالا دست ہے اس لیے کسی میں ہمت نہیں کہ اس کے مقدسات کو چیلنج کرے [سوائے دنیا میں گنے چنے چند مفکرین اور دانشوروں کے جن کے کام کی نوعیت علمی وفکری ہے نہ کہ عملی]۔

تاہم مغرب اپنے سیاسی، معاشی، تہذیبی، تعلیمی اور ثقافتی غلبے کی وجہ سے اپنے نظریات (مقدسات) دوسروں پر علی الاعلان ٹھونستا رہتا ہے مثلاً چند سال پہلے ہم نے اخبارات میں پڑھا کہ امریکی پارلیمنٹ نے مشرق وسطیٰ میں جمہوریت کے لیے اتنے کروڑ ڈالر کا بجٹ رکھا ہے۔ اور نہ صرف یہ بلکہ وہ اپنے نظریات فوجی قوت سے بھی دوسروں پر ٹھونستا ہے اور جو افراد معاشرے اور ریاست اپنے نظریات اور مقدسات سے وابستگی پر اصرار کریں اور مغرب کی تہذیبی بالا دستی اور مقدسات کے آگے سر نہ جھکائیں، وہ انہیں فوجی قوت سے تباہ کر دیتا ہے جیسا کہ اس نے عراق اور افغانستان میں کیا اور کئی دوسری مسلم معاشروں اور ممالک میں کر رہا ہے۔

مغرب اور مسلم مقدسات کا استہزاء واستخفاف

مغرب نے عالم اسلام کو مغلوب کر کے غلام بنالیا۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد اسے مسلم ممالک کو کچھ آزادی مجبوراً دینا پڑی لیکن اس کے باوجود اس کا رویہ استعماری رہا۔ اس نے عالم اسلام میں اپنے تہذیبی غلبے کے لیے ہر طرح کی پرامن کوششیں اور سازشیں کیں اور اس کے باوجود جب بعض مسلم ممالک سر اٹھانے میں کامیاب ہو گئے تو اس نے انہیں قوت سے تباہ و برباد کر دیا۔

۲۔ عالم اسلام کے خلاف مغرب کی پرامن کوششوں اور سازشوں کا ایک بڑا ہدف ان کے

مقدسات کا استہزا و استخفاف تھا اور اس کی یہ کوشش تھی کہ مسلمانوں کی وابستگی ان کے مقدسات سے کمزور کردی جائے تا کہ ان کی دین سے وابستگی کمزور پڑ جائے اور وہ دین سے دور ہو جائیں جو ان کی قوت کا اصل منبع ہے۔

۳۔ اس موقع پر اگرچہ انہوں نے اسلام کے سارے مقدسات کو نشانہ بنایا۔ ایک امریکی پادری نے قرآن کو یہ کہہ کر جلانے کا اعلان کیا کہ اس کے نزدیک یہ کتاب دہشت گردی سکھاتی ہے۔ امریکیوں نے ایک جعلی قرآن بنایا اور اسے پھیلانے کی کوشش کررہے ہیں۔ حدیث کے خلاف بھی مستشرقین کا بڑا کام ہے اور وہ اپنے مسلمان تلامذہ (جیسے ڈاکٹر فضل الرحمن) اور مغربی فکر وتہذیب سے مرعوب متجدد اسلامی سکالرز (جیسے پرویز اور غامدی وغیرہ) کے ذریعے بھی انکار حدیث اور استخفاف حدیث پر کام کرتے رہتے ہیں۔ تاہم ان کا خصوصی ہدف نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین ہے کیونکہ انہوں نے جان لیا ہے کہ مسلمانوں کے مقدسات میں سے حساس ترین مسئلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان کی محبت ہے لہٰذا وہ جان بوجھ کر مسلمانوں کو زچ، مشتعل اور ذلیل کرنے کے لیے بار بار نبی معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو (نعوذ باللہ) دہشت گرد ثابت کرتے ہیں، آپ کے کارٹون بناتے ہیں، آپ کے خلاف مضامین چھاپتے ہیں اور سوشل میڈیا کو خصوصاً اپنے مذموم مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں۔

ایسے ہی ایک موقع پر جب توہین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعلق کارٹونوں کی اشاعت کا مسئلہ تازہ تھا تو امریکی صدر اوباما نے ۲۰۱۲ء میں جنرل اسمبلی سے خطاب کرتے ہوئے بہت سے مسلمان سربراہان کی موجودگی میں کہا کہ اگرچہ وہ سمجھتے ہیں کہ انبیاء کی بے حرمتی نہیں کی جانی چاہیے لیکن مغرب ایک ''آزاد'' معاشرہ ہے اور وہ کسی فرد کے ''اظہار رائے کی آزادی'' کے ''بنیادی حق'' پر پابندی نہیں لگا سکتے۔ مطلب یہ کہ ہمارے مقدسات (آزادی اور بنیادی انسانی حقوق) اہم ہیں اور ہم ان پر عمل کریں گے، تمہارے مقدسات جائیں بھاڑ میں۔

۴۔ توہین رسالت کے حوالے سے اہل مغرب کا ایک رویہ یہ بھی ہے کہ وہ پوری کوشش کرتے ہیں کہ کسی مسلمان ملک میں توہین رسالت پر سزا کا قانون نہ بنے۔ اگر بن ذجائے تو وہ کوشش کرتے ہیں کہ اسے ختم کرا دیا جائے یا کم از کم غیر موثر بنا دیا جائے تا کہ اس پر عمل درآمد نہ ہو سکے۔ اور ان کی جرأت اور دیدہ دلیری کا یہ عالم ہے کہ وہ علی الاعلان پاکستان میں قانون توہین

رسالت کی مخالفت کرتے ہیں، اسے ختم کرانا چاہتے ہیں اور اسے غیر موثر بنانا چاہتے ہیں تا کہ اس پر عمل درآمد نہ ہو۔

مقام رسالت کے تقدس کا جواز

۱۔ یہاں آگے بڑھنے سے پہلے، ہم تکمیل بحث کی خاطر، انتہائی اختصار کے ساتھ یہ عرض کریں گے کہ اسلام میں ادارۂ نبوت کے تقدس کی وجہ کیا ہے؟ کیوں قرآن مسلمانوں میں حبّ نبی پیدا کرنا چاہتا ہے اور اس کے لیے متعدد اقدامات تجویز کرتا ہے؟ اگر چہ باقی اسلامی مقدسات بھی اہم ہیں لیکن مسلمانوں میں توہین مصطفیٰ ﷺ سے متعلق حساسیت اور اس کے لیے خصوصی قانون کی موجودگی کی وجہ سے ہم اس پر ترکیز کر رہے ہیں۔

ہمیں تسلیم ہے کہ اسلام میں بنیادی عقیدہ توحید کا ہے کہ صحیح تصور الٰہ پر ہی انسانی ہدایت کا مدار ہے لیکن یہ بھی ایک ناگزیر حقیقت ہے کہ اللہ تک پہنچنے کا ذریعہ رسول ہی ہے۔ ہم پہلے رسول کو رسول مانتے ہیں تو پھر ہی توحید تک پہنچتے ہیں۔ اگر ہم رسول کی رسالت ہی کو نہ مانیں تو گاڑی آگے چل نہیں سکتی۔ لہٰذا ایمان کا انحصار رسول کو ماننے پر ہے چنانچہ قرآن کہتا ہے کہ

- اے نبی! ان سے کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو[آل عمران ۳:۳۱]
- جو پیغمبر تمہیں دے اسے لے لو اور جس سے روکے اس سے رک جاؤ[الحشر ۵۹:۷]
- تمہارا ایمان لانا اس وقت تک بے معنی ہے جب تک تم پیغمبر کے فیصلوں کو نہ مانو اور صرف مانو ہی نہیں بلکہ دل سے ان پر راضی نہ ہو[النساء ۴:۶۵]
- اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر صلاۃ بھیجتے رہتے ہیں تم بھی اس پر درود وصلاۃ بھیجتے رہا کرو۔[الاحزاب ۳۳:۵۶]
- رسول اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا بلکہ جو کچھ کہتا ہے ہماری سند کے ساتھ کہتا ہے۔[النجم ۵۳:۳،۴]
- آپ رحمۃ للعالمین ہیں [الانبیاء ۲۱:۱۰۷]، رؤف ورحیم ہیں[التوبہ ۹:۱۲۸]، اور اخلاق کے انتہائی اعلیٰ درجے پر فائز ہیں[القلم ۶۸:۴]
- آپ پر ایمان نہ لانے سے تمام اعمال ضائع ہو جاتے ہیں[الکہف ۱۸:۱۰۵]

۔ آپ نرم خو اور شفیق ہیں [آل عمران ۳:۱۵۹]

۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آسمانوں پر بلایا اور زمین وآسمان کے راز اور حکمتیں آپ کو دکھائیں اور سمجھائیں اور اپنے قرب سے نوازا [النجم ۵۳:۱۴]

غرض یہ ایک طویل موضوع ہے۔ جس پر بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے لیکن ہم چند احادیث کے ذکر کے بعد اس کو سمیٹتے ہیں۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کی اجازت سے اور آپ کی رہنمائی میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک میں تمہیں تمہاری جان اور ساری دنیا سے بڑھ کر عزیز نہ ہو جاؤں'' [صحیح بخاری، حدیث نمبر: ۱۴] اور فرمایا کہ جو مسلمان مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجتا ہے اللہ اس پر دس دفعہ رحمت کے ساتھ متوجہ ہوتا ہے۔ [صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۳۸۴] آپ نے مسلمانوں کو ہر نماز میں نبی پر صلاۃ وسلام پڑھنے کا حکم دیا۔ [صحیح بخاری، حدیث نمبر: ۸۳۱]

۳۔ خلاصہ یہ کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت ہر مسلمان کی زندگی ہے۔ ہر مسلمان آپ پر اپنی جان نچھاور کرنا اعزاز سمجھتا ہے اور بات بات پر ٳÜ̈DEřIE'Vâ دہراتا ہے۔ ہم مسلمان اگر آج چودہ سو سال بعد بھی ایک امت ہیں تو اس کی ایک بنیادی وجہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہر مسلمان کی جذباتی محبت ہے۔ چنانچہ علامہ اقبال نے جب قادیانیت کی مذمت کی تو نہرو نے طنزاً کہا کہ میں تو اقبال کو یورپ پلٹ اور جدید پڑھا لکھا مسلمان سمجھتا تھا لیکن وہ بھی ایک عام مولوی کی طرح نکلا۔ اقبال نے فوراً جواب دیا کہ ہاں! کیونکہ یہ میری امت کی بقا کا مسئلہ ہے۔ اگر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی نبی کو مانتا ہوں تو میری امت ٹوٹتی ہے۔

یہ موضوع اتنا اہم، دلچسپ اور طویل ہے کہ اس پر پوری کتاب لکھی جا سکتی ہے لیکن ہم اسے سمیٹتے ہیں اور یہ دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ اسلام تحفظ ناموس رسالت کے حوالے سے اور خصوصاً ہیں بارے میں کہ اگر کوئی بدبخت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین کرے تو مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیے؟ اس حوالے سے وہ کیا رہنمائی مہیا کرتا ہے۔

اسلام میں توہینِ رسالت کا قانون

۱۔ قرآن وسنت کے احکام اور سیرت واسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سامنے رکھتے ہوئے اور ان

حکمتوں کے پیش نظر جو شارع کو مطلوب ہیں (اس بارے میں نصوص معروف ومشہور ہیں اس لیے ہم یہاں ان کا اعادہ نہیں کریں گے) فقہائے اسلام اس پر متفق ہیں کہ جو آدمی نبی کریم ﷺ کی توہین کرے وہ واجب القتل ہے۔ اس کا فیصلہ عدالت کرے گی اور حکومت اسے نافذ کرے گی (مسلم روایت میں اس کے لیے قاضی اور سلطان کے الفاظ استعمال ہوتے رہے ہیں) اور یہ کہ حاکم کا مجتہد یا دین کا عالم ہونا ضروری ہے۔ خود نبی کریم ﷺ نے اس بارے میں جو فیصلے فرمائے ان میں آپ کی ’قاضی‘ اور ’سلطان‘ ہونے کی حیثیت شامل تھی۔

۲۔ مسلمان فقہاء کا اس پر اتفاق رہا ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی بد بخت کو توہین رسالت کرتے ہوئے پائے اور شدت غضب واشتعال میں اسے قتل کر بیٹھے تو عدالت یہ دیکھے گی کہ اس نے قتل کیوں کیا؟ اگر قتل کا محرک توہین رسالت تھی تو عدالت اسے بری کر دے گی اور اگر قتل کا محرک ذاتی تھا یا توہین رسالت کے علاوہ کچھ اور تھا تو عدالت اسے جرم کے مطابق سزا دے گی مثلاً اگر بد نیتی سے قتل عمد ثابت ہو جاتا ہے تو اسے قصاص (یعنی سزائے موت) کا حکم دے گی۔

۳۔ یہ بھی یاد رہے کہ یہ موقف سارے اسلامی مکاتب فکر (یعنی مذاہب اربعہ، اہل ظاہر اور اہل تشیع کا متفقہ ہے اور کئی مقتدر علماء کرام نے اس پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔ صرف کچھ علماء احناف نے توہین کرنے والے مسلمان کو ردّہ عامہ (یعنی عمومی ارتداد) پر محمول کرتے ہوئے قبل الاخذ توبہ کی مہلت دی ہے یا ذمی کو کچھ رعایت دی ہے۔ جسے آج کل متجد دغامدی کے بعض شاگرد (خصوصاً عمار ناصر صاحب) جمیع احناف کا موقف باور کراتے ہیں جو صریحاً غلط اور مبالغہ پر مبنی ہے۔ ہمارے دوست علامہ محمد خلیل الرحمن قادری صاحب نے اپنے کئی مضامین میں اس کی خوب عکاسی اور وضاحت کی ہے۔

پاکستان میں قانونِ توہینِ رسالت

۱۔ پاکستان میں جو قانون توہین رسالت (295C) بنایا گیا ہے وہ ناقص ہے۔ اس میں یہ تو بیان کیا گیا ہے کہ توہین کا مرتکب واجب القتل ہے (جس کا فیصلہ عدالت کرے گی اور حکومت اسے نافذ کرے گی) لیکن اس استثنائی صورت حال کا ذکر نہیں کیا گیا کہ اگر کوئی دینی حمیت وغیرت رکھنے والا مسلمان کسی بد بخت کو توہین رسالت کرتے ہوئے پائے اور شدید غصے اور فوری اشتعال کو کنٹرول نہ کر سکنے کی بناء پر اسے قتل کر بیٹھے اور عدالت اسے سچا پائے تو وہ اسے بری کر دے

گی.... کیونکہ اسلام میں توہین رسالت کرنے والے کو قتل کرنا سرے سے کوئی جرم ہی نہیں ہے۔ بلکہ بعض حالات میں یہ ضروری اور مستحسن ہو جاتا ہے جس کا ثبوت یہ ہے کہ:

۱۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض مرتکبین اہانت رسول کے قتل کا حکم دیا (جیسے مدینہ میں کعب بن اشرف کو اور فتح مکہ کے موقع پر بعض گستاخوں کو) اگرچہ بہت سوں کو معاف بھی کر دیا.... جو آپ کا ذاتی استحقاق تھا۔

۲۔ خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہانت رسول کے مرتکبین کو قتل کرنے والے بعض صحابہ کی تحسین فرمائی اور ان کو شاباش دی (جیسے حضرت محمد بن مسلمہؓ اور ان کے ساتھیوں کو اور حضرت عمیر بن عدیؓ کو اور حضرت زبیرؓ کو)۔

۳۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے توہین رسالت کے مرتکب کو قتل کرنے والے کسی شخص کی مذمت نہیں فرمائی اور کسی کو سزا نہیں دی بلکہ ان کو خون معاف کر دیا (جیسے اپنی اُم ولد شاتمہ کو قتل کرنے والے نابینا صحابی کو)۔

۴۔ مسلمانوں کی چودہ سو سالہ تاریخ میں کسی مجتہد، فقیہ، مفتی اور قاضی نے توہین رسالت کے مرتکب کو قتل کرنے اور عدالتی تحقیق کے بعد اسے سچا پانے کے بعد اس کی مذمت نہیں کی اور اسے سزا نہیں دی بلکہ ایسے لوگ مسلمان عوام کے ہیرو بن جاتے ہیں۔ لوگ ان کی غیرت ایمانی کی تعریف کرتے ہیں اور وہ ان پر رشک کرتے ہیں جیسا کہ غازی علم الدین نے جب ہندو مرتکبِ اہانتِ رسول کو قتل کیا تو علامہ اقبالؒ نے فرمایا 'ترکھانوں کا لڑکا بازی لے گیا اور ہم باتیں ہی کرتے رہ گئے۔''

لہٰذا یہ بات بالکل واضح ہے کہ اسلام میں توہین رسالت کے مرتکب کو قتل کرنا سرے سے کوئی قابل مذمت فعل ہے ہی نہیں بلکہ الٹا قابل تحسین فعل ہے۔ تاہم اگر عدالت اسے جھوٹا پائے تو اسے جرم کے مطابق قرار واقعی سزا دے گی۔

۵۔ یہ بھی یاد رہے کہ دنیا بھر کے فوجداری قانون میں قتل عمد کے ساتھ قتل خطا کا ذکر ہوتا ہے اور قتل عمد کے بعد وقتی اشتعال اور فوری غصے کی حالت میں قتل کا ذکر ہوتا ہے اور ان دونوں موخر الذکر صورتوں میں جرم کی سزا قتل عمد سے کم ہوتی ہے۔ خود پاکستان کے قانون میں بھی ایسا ہی ہے۔

۶۔ پاکستان میں محب دین عوام، دینی جماعتوں اور اداروں میں اور پاکستان کے لبرل اور

سیکولر سیاستدانوں، سول اور فوجی بیوروکریسی، عدلیہ اور میڈیا میں اول روز سے یہ کشمکش چلی آرہی ہے کہ اول الذکر ملک میں اسلام، سلامی طرزِ زندگی اور مطابقِ اسلام ریاستی ڈھانچے کے خواہاں ہیں جبکہ ثانی الذکر گروہ مغرب زدہ ہیں اور مغربی آقاؤں کی حمایت اور تعاون سے مغربی اصول و اقدار اور جدید تہذیب کو پاکستان میں مروج کرنا چاہتے ہیں۔

۷۔ ثانی الذکر طبقے نے ہر موقع پر بھرپور کوشش کی اور مزاحمت کی کہ آئین اسلامی نہ بنے، قوانین اسلامی نہ بنیں، لیکن اول الذکر قوتوں نے انہیں مجبور کردیا کہ وہ آئین میں اسلامی دفعات رکھیں اور اسلامی قوانین بنائیں۔ چنانچہ فریق ثانی کی ناپسندیدگی اور مزاحمت کے باوجود بہت سارے اسلامی قوانین انہیں بنانے پڑے جن میں سے ایک قانون توہین رسالت بھی ہے۔

یہ اسلامی قوانین بن تو گئے لیکن حکومت ان پر عمل درآمد نہیں کرتی اور نہیں کرنا چاہتی۔ جج بھی سیکولر ہیں کہ ان کی تعلیم و تربیت بھی جدید قانون میں تو ہوتی ہے اسلامی شریعہ میں نہیں ہوتی۔ اس کی ذمہ دار بھی حکومت ہے (اور دینی عناصر بھی اس کے ذمہ دار ہیں کہ وہ پرائیویٹ سیکٹر میں یہ کام کیوں نہیں کرتے جب کہ اس کی گنجائش موجود ہے) تو جج بھی اسلامی قانون کے نفاذ میں پھرتی نہیں دکھاتے بلکہ وہ قرآن وسنت کے مطابق فیصلے نہیں کرتے، آئین کے مطابق فیصلے کرتے ہیں اور آئین میں بہرحال اگر مگر کی گنجائش نکل آتی ہے۔ قرآن وسنت کے مطابق فیصلے کرنے کی پابندی صرف وفاقی شرعی عدالت پر ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ بات خود خلاف اسلام ہے کہ آپ ساری عدلیہ کو قرآن وسنت کے مطابق فیصلے کرنے کا پابند نہیں بناتے بلکہ صرف ایک عدالت کو بناتے ہیں۔ اس پس منظر میں توہین رسالت کے حوالے سے حکمرانوں اور عدلیہ کا کردار دیکھنے کے لیے مندرجہ ذیل پہلو سامنے رکھیے۔

۸۔ قانون توہین رسالت پر عمل درآمد نہ کرنا

۔ ہماری عدالتیں توہین رسالت کی سزا (موت) بالعموم نہیں دیتیں۔ اگر نچلی عدالتیں دے بھی دیں تو اپیل میں اعلیٰ عدالتیں اسے کم کردیتی ہیں بلکہ وہ عرصہ دراز تک اپیل ہی نہیں سنتیں۔ آخر کیوں؟ اس کیوں کا جواب ہم کس سے مانگیں؟ کیا حکومت نہیں چاہتی؟ کیا بین الاقوامی دباؤ ہے؟ کیا عدلیہ خود سیکولر ہے اور سیکولر جج یہ سزا دینا نہیں چاہتے؟

۔ اگر عدالت سزا سنا بھی دے تو حکومت اس پر عمل درآمد نہیں کرتی جس کا ثبوت یہ ہے کہ

جب سے قانون توہین رسالت بنا ہے آج تک توہین رسالت کے کسی مرتکب کو سزائے موت نہیں دی گئی۔

۔ عدلیہ اور حکومت کے اس رویے سے یہ پیغام حبّ رسول سے سرشار عوام اور دینی عناصر کو جاتا ہے کہ عدلیہ اور حکومت تو توہینِ رسالت کے مرتکبین کو سزا نہیں دیں گی لہٰذا ان کے لیے راستہ کھلا ہے کہ وہ عدالت اور حکومت سے سبقت لے کر خود اس کا فیصلہ کر دیں۔ گویا خود عدالت اور حکومت اس امر کی ذمہ دار ہے کہ وہ خود لوگوں کو براہ راست ایکشن لینے کا راستہ دکھاتی ہے۔ یاد رہے کہ ہم نے یہاں 'قانون ہاتھ میں لینے' کے الفاظ استعمال نہیں کیے کیونکہ وہ یہاں غیر متعلق ہیں اور توہین رسالت کے قانون میں یہ الفاظ شرعاً استعمال ہی نہیں کیے جا سکتے جیسا کہ ہم آگے چل کر واضح کریں گے۔

۹۔توہین رسالت کی سزا کے نفاذ میں کسی شخص کا عدالت وحکومت پر سبقت لے جانا

جیسا کہ ہم نے کہا کہ یہ بات اسلام کے قانون کا ایک حصہ تھی اور ہے کہ توہین رسالت کے ارتکاب کی سزا موت ہے اور یہ سزا عدالت اور حکومت دے گی لیکن اگر کوئی باغیرت اور باحمیت مسلمان کسی بدبخت کو توہین رسالت کرتے پائے اور وقتی اشتعال اور فوری غصے پر قابو نہ پا سکے اور اس بدبخت کو قتل کر دے اور عدالت تحقیق کے بعد اسے سچا پائے تو عدالت اسے بری کر دے گی۔ یہ اسلام کا قانون ہے۔ یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فیصلہ ہے۔ آج کوئی مسلمان عدالت اور حکومت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اس فیصلے کو رد نہیں کر سکتی اور اگر کرے تو حب رسول سے سرشار عوام اور دینی عناصر اسے ہرگز قبول نہیں کریں گے۔

چنانچہ یہ مضحکہ خیز واقعہ ہماری تاریخ میں پیش آ چکا ہے کہ ممتاز قادری کیس میں ابتدائی عدالت نے فیصلہ دیا کہ ملزم نے بادی النظر میں توہین رسالت کی بنیاد پر ہی مقتول کو قتل کیا ہے لہٰذا اس بناء پر مَیں اسے کوئی سزا نہیں دیتا البتہ ملکی قانون کے دہشت گردی ایکٹ کی دفعہ فلاں اور فلاں کے تحت مَیں اسے سزائے موت دیتا ہوں۔

دین کے ساتھ اس سے بڑا کھلواڑ ہو نہیں ہو سکتا کہ جج تسلیم کرتا ہے کہ قاتل نے توہین رسالت کے ارتکاب کی بنیاد پر مقتول کو قتل کیا۔ لہٰذا وہ اسے اس بناء پر (شرعی) سزا نہیں دیتا البتہ ملکی قانون کے تحت (گویا غیر شرعی طور پر) اسے موت کی سزا دیتا ہے۔ اور وہ اعلیٰ عدالتیں جو

برسوں توہین رسالت کے کیسوں کی اپیلیں نہیں سنتیں....اور آج بھی آسیہ مسیح کی اپیل موخر ہے اور سنی نہیں جا رہی...لیکن وہ ممتاز قادری کی اپیل فوری سنتی ہیں اور سزائے موت برقرار رکھتی ہیں۔ اور سپریم کورٹ کے جج تسلیم کرتے ہیں کہ اس شرعی کیس کی باریکیوں سے وہ واقف نہیں اور وکلاء کے اصرار پر ان سے سارا مواد منگواتے ہیں لیکن اسے پڑھنے اور اس پر غور کرنے کی بجائے سزائے موت بحال رکھنے کا فوری فیصلہ سنا دیتے ہیں....اور وہ حکومت جس نے آج تک توہینِ رسالت کے مرتکب کسی بدبخت کو پھانسی نہیں دی وہ پھرتی دکھاتی ہے اور اس ''مجرم'' کو فوراً پھانسی پر لٹکا دیتی ہے جس نے شرعی طور پر کوئی جرم ہی نہیں کیا ہوتا۔ حبِّ رسول سے سرشار عوام، حکومت اور عدالت کے اس فیصلے کہ وہ مجرم ہے، نہیں مانتے اور شہید ممتاز قادری کا جنازہ پاکستان کی تاریخ کا سب سے بڑا جنازہ بن جاتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ سب دین سے کھلواڑ ہے یا نہیں؟

۱۰۔ ہمارے حکمران، عدلیہ، سول اور فوجی بیوروکریسی اور میڈیا سیکولر اور لبرل ہیں اور ان کا کردار یہ ہے کہ اگر کوئی توہین رسالت کا ارتکاب کرے تو خاموش رہا جائے۔ مغرب زدہ بدبخت مسلمان بلاگرز موچی اور بھینسے ناموس رسالت کی دھجیاں اڑاتے رہیں تو حکومت چپ سادھے رہتی ہے، چیف جسٹس آف پاکستان کو یاد ہی نہیں رہتا کہ توہین رسالت بہت بڑا ایشو ہے، بہت حساس معاملہ ہے، امن وامان خراب کرسکتا ہے اور وہ سوموٹو ایکشن لینا بھول جاتے ہیں۔ شور مچانے پر چند بلاگرز کو پکڑا جاتا ہے اور پھر چھوڑ دیا جاتا ہے اور وہ اپنے ولی نعمت مغرب کی پناہ میں چلے جاتے ہیں....جی ہاں! یہ مغرب کا طریقۂ واردات ہے کہ وہ توہین رسالت کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کرتا ہے اور جب پاکستانی قانون حرکت میں آتا ہے تو وہ دباؤ سے، پروپیگنڈے کے زور سے، اور اپنے بھونپو میڈیا کے ذریعے ہنگامہ کھڑا کرتے ہیں اور جب اس کے نتیجے میں مجرم کی ضمانت ہوجاتی ہے تو اسے پھر مغربی ملکوں میں پناہ دے دی جاتی ہے....لیکن حب توہین رسالت کے مرتکب کو اگر کوئی باغیرت اور باحمیت مسلمان قتل کردے یا لوگ مل کر اسے ماردیں جیسا کہ مردان یونیورسٹی میں ہوا، تو عدالتی انکوائری سے پہلے کہ اسے توہین رسالت کے جرم میں مارا گیا یا نہیں....نواز شریف اور شہباز شریف ہی نہیں زرداری، خورشید شاہ، عمران خاں، اسفندیار سب سیکولر سیاستدان اپنے اپنے بلوں سے نکل پڑتے ہیں کہ ظلم ہوگیا، بہیمیت کا راج ہے یہ دہشت گردی ہے۔ یہاں تک کہ پولیس آئی جی انکوائری شروع کرتے ہی اعلان کردیتا ہے کہ مقتول بے گناہ تھا۔ چیف جسٹس آف پاکستان کو فوراً یاد آجاتا ہے کہ وہ سوموٹو ایکشن لے سکتے ہیں

اور اس کے لیے فوراً حکم جاری ہو جاتا ہے۔ تا حال یہ سوموٹو سماعت جاری ہے۔ حالانکہ یہ امر معروف ہے کہ عدالت عظمی عدالت اپیل ہے، عدالت تحقیق نہیں ہے لیکن نچلی عدالت نے ابھی تحقیق کی ہی نہیں کہ مقتول توہین رسالت کا مجرم تھا کہ نہیں .... جبکہ مقتول کا سابقہ دوست اور بنیادی قاتل (عمران علی) برسر عدالت کہہ رہا ہے کہ مشال گستاخ رسول تھا اور میں نے اسی لیے اسے قتل کیا، لیکن عدالت عظمی چونکہ سوموٹو ایکشن لینے کا اختیار رکھتی ہے لہٰذا وہ سماعت کر رہی ہے۔

ہم اس پر صرف یہ سوال اٹھا رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں فرماتا ہے کہ "[illegible] اشد من القتل" [البقرہ ۲:۱۹۱] یعنی فتنہ پھیلانا اور کھڑا کرنا قتل سے بڑا جرم ہے لیکن ہم حیران ہیں کہ جب فتنہ کھڑا ہوتا ہے، ایک شخص سوشل میڈیا میں یعنی علی الاعلان توہین رسال کا ارتکاب کرتا ہے جس کی وجہ سے امن وامان خطرے میں پڑ سکتا ہے اور مردان یونیورسٹی میں عملاً پڑا لیکن چیف جسٹس آف پاکستان توہین رسالت کے اس واقعے کو کوئی اہمیت نہیں دیتے لیکن جب اس قبیح عمل کا ردعمل سامنے آتا ہے اور حالت اشتعال میں لوگ اس بدبخت کو قتل کر دیتے ہیں تو چیف جسٹس صاحب کو سوموٹو اختیار یاد آجاتا ہے۔

یہی حال حکومت کا ہے۔ توہین رسالت کے واقعات ہوتے رہتے ہیں لیکن حکومت خاموش رہتی ہے۔ جب سلمان تاثیر توہینِ رسالت کر رہا تھا، اپنی عدالتوں کے فیصلوں کا مذاق اڑا رہا تھا، توہین رسالت کی مرتکبہ کی امداد وحمایت کا اعلان کر رہا تھا، توہین رسالت کے قانون کو کالا قانون کہہ رہا تھا تو حکومت خاموش رہی لیکن جب اس عمل کا ردعمل سامنے آیا اور ایک غیرت مند مسلمان نے اس بدبخت کو جہنم واصل کر دیا تو ساری حکومت جاگ پڑی، میڈیا متحرک ہو گیا، عدالتیں متحرک ہو گئیں جب کہ عوام اور علماء کا ردعمل یہ تھا کہ کوئی اس بدبخت کا جنازہ پڑھنے اور پڑھانے کو تیار نہ تھا۔

۱۱۔ فوٹو اور وڈیو کا کمال

ہمارے بعض علماء بھی اس ماحول میں مشال کے قتل کی وڈیو دیکھ کر پریشان ہو گئے اور کہہ اٹھے کہ اسلام تو اس ظلم اور بہیمیت کی اجازت نہیں دیتا۔ یہ رویہ تو غیر اسلامی ہے، اسلام قانون ہاتھ میں لینے کی اجازت نہیں دیتا.... وغیرہ وغیرہ۔

ان علماء کرام کو اس پر غور کرنے کا موقع نہیں ملا کہ کیا چیز ان کی رائے پر اثر انداز ہو رہی

ہے؟ ہم آپ کو بتاتے ہیں کہ وہ چیز مشال کے ''بہیمانہ'' قتل کی وڈیو تھی۔ کسی نے نہیں سوچا کہ یہ وڈیو کس نے بنائی؟ کیوں بنائی؟ کس نے اسے انٹرنیٹ پر ڈالا اور وائرل کیا؟ حالانکہ عین اسی دن امریکہ نے مردان سے سومیل پرے افغانستان میں مسلمانوں پر تاریخ کا سب سے بڑا بم حملہ کیا۔ کئی میل کے فاصلے میں ہر چیز فنا ہوگئی، سیکڑوں انسان مارے گئے، ان کے چیتھڑے اڑ گئے یا وہ بھسم ہو کر رہ گئے۔ ہزاروں جانور مر گئے۔ فصلیں اور درخت جل گئے لیکن ہمارے معصوم علماء کرام کو علم ہی نہیں ہوا، کسی نے اس کی مذمت بھی نہیں کی... کیونکہ امریکہ نے اس کی تصویر جاری نہیں کی... تو علماء کرام یہ تصویر کا کمال ہے۔ امریکہ چودہ سال افغانیوں پر ظلم ڈھاتا رہا۔ اس نے ہزاروں قتل کیے، گھر اجاڑے، عورتیں بیوہ اور بچے یتیم ہو گئے، خود پاکستان میں ڈورن حملوں سے سیکڑوں قتل ہوئے، مکان جلے، بے گناہ مارے گئے لیکن کبھی فلم نہیں بنی، وڈیو نہیں دکھائی گئی لہٰذا ان مظالم پر علماء کرام کم ہی اشک بار ہوئے لیکن مشال قتل کی وڈیو فوراً وائرل کر دی گئی اور ہمارے علماء مجبور ہو گئے کہ اس بہیمیت کی مذمت کریں۔

ہم ان علماء کرام سے پوچھتے ہیں کہ امریکہ نے لاکھوں بے گناہ عراقیوں اور افغانیوں کو مارا، مکان جلائے، عورتوں کی عصمت دری ہوئی، عورتیں بیوہ اور بچے یتیم ہوئے.... اس ظلم کی ہم نے کتنی مذمت کی؟ اس ظلم کی دنیا نے کتنی مذمت کی؟ امریکہ کے لیے خطرہ نہیں تھا لیکن تھوڑا سا ممکنہ طور پر ''اسرائیل'' کے لیے تو تھا جس کی حفاظت امریکہ و یورپ کا ''مقدس'' فریضہ ہے لہٰذا لاکھوں عراقی مسلمان مار دیے گئے۔ افغانستان کا جرم کیا تھا؟ یہ کہ ملا عمر اپنے فہم کے مطابق نفاذ اسلام پر مصر تھا اور مغربی فکر و تہذیب کی بالادستی اور تقدس ماننے پر تیار نہ تھا لہٰذا امریکہ نے افغانستان پر حملہ کر کے لاکھوں مسلمان مار دیے تا کہ اس کی فکر و تہذیب کی بالادستی اور تقدس برقرار رہے۔ ہم نے اپنے مقدسات کی حفاظت کے لیے، امریکی یا یورپی نہیں، اپنے ایک دو آدمی مار دیے تو دنیا اس ''ظلم، جبر اور بہیمیت'' پر چیخ اٹھی اور ہمارے علماء کرام کا دل بھی پگھل گیا۔

ہم حیران ہیں اس تفاوت پر اور اس تفاوت کو نہ سمجھنے والوں کی عقل پر کہ امریکہ و یورپ اپنے مقدسات کی حفاظت کے لیے ہمارے لاکھوں بے گناہ آدمی مار دیں تو دنیا بھی خاموش اور ہم بھی خاموش اور ہم اپنے مقدسات کو بچانے کے لیے اپنے ایک دو آدمی مار دیں تو ساری دنیا چیخ اٹھے اور ہمارے علماء بھی اس 'ظلم'، اس 'جبر' اور اس 'بہیمیت' پر خاموش نہ رہ سکیں اور اس کی مذمت

میں رطب اللسان ہوجائیں۔ بریں عقل ودانش بباید گریست

۱۲۔قانون ہاتھ میں لینا

ہمارے ہاں کے لبرل اور سیکولر دانشوروں نے اس ساری صورت حال کو یوں ایکسپلائٹ کیا کہ یہ تو ''قانون کو ہاتھ میں لینا'' ہے،آج کی ''مہذب'' دنیا میں یہ تو ''قتل کرنے کا کھلم کھلا لائسنس'' ہے۔ جی ہاں! یہ لفظوں کی جنگ بلکہ جادوگری ہے۔

اسلامی قانون اور روایت میں یہ بات یوں ہے کہ توہین رسالت کا مرتکب کافر اور مباح الدم ہوجاتا ہے اور اس کو سزا دینا عدالت کا کام ہے اور حکومت کا کام اس پر عمل درآمد کرنا ہے۔ لیکن اگر کوئی باغیرت اور باحمیت مسلمان کسی بدبخت کو توہین رسالت کرتے ہوئے پائے اور فوری غصے اور وقتی اشتعال پر قابو نہ پاسکے اور عدالت اور حکومت سے سبقت لے کر اس مباح الدم کافر کو قتل کردے تو عدالت دیکھے گی کہ اس کے قتل کا محرکِ کیا تھا؟ اگر محرک قتل توہین رسالت ہو تو اسلام کے قانون اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوہ اور فیصلے کے مطابق اسے بری کردے گی۔

اس بات کو جدید سیکولر اور لبرل مسلمان دانشور یوں کہتے ہیں کہ اس شخص کو ''قانون ہاتھ میں لینے'' کا کوئی حق نہیں تھا۔ہم ان بزرجمہروں سے پوچھتے ہیں کہ کس ''قانون'' کو اور ''کس'' کے قانون کو ہاتھ میں لینا جرم ہے؟ ہم 'مغرب کے قانون' کو اور انسانوں کے بنائے ہوئے قانون کو ماننے کے مکلف نہیں ہیں بلکہ اللہ ورسول کے قانون کو ماننے کے مکلف ہیں اور اللہ نے قرآن حکیم میں اپنا یہ قانون لکھ رکھا ہے کہ جو اللہ کے قانون کے مطابق فیصلے نہ کریں ''وہ فاسق ہیں....وہ ظالم ہیں...وہ کافر ہیں[المائدہ۵: ۴۴،۴۵،۴۷]۔

اور ہمیں ''طاغوت'' اور غیر اللہ کے قوانین کی خلاف ورزی کا حکم اللہ نے دیا ہے[البقرہ۲: ۲۵۶]۔

اور یہ بزرجمہر کہتے ہیں کہ یہ ''قانون کو ہاتھ میں لینا ہے'' اللہ کا قانون یہ ہے کہ توہین رسالت کے مرتکب کو قتل کرنا جرم ہی نہیں ہے۔(جیسا کہ ہم نے سطور بالا میں واضح کیا ہے) تو قانون کو ہاتھ میں لینے کی بات کہاں سے آگئی؟ لفظوں کی یہ جنگ مغالطہ پیدا کرنے کے لیے چھیڑی گئی ہے اور خواہ مخواہ ہمیں مجرم بناتی ہے لہٰذا اس بات میں کوئی وزن نہیں کہ یہ قانون کو ہاتھ

میں لینا ہے اور یہ قتل کرنے کا کھلا لائسنس ہے۔قتل کرنے کا کھلا لائسنس تو درحقیقت اہل مغرب کو ملا ہوا ہے، امریکہ کو حاصل ہے۔اس نے عراق، افغانستان، یمن، شام، پاکستان، نائیجیریا، فلسطین، کشمیر، میانمار، فلپین، چیچنیا میں ہمارے لاکھوں مسلمان بھائی مار دیے ہیں اور آج بھی مار رہے ہیں۔اور یہ سب اس نے ماورائے قانون کیا ہے۔یہ قانون کے قاتل ہیں، یہ قانون کو ہاتھ میں لیتے ہیں، انہیں مسلمانوں کو قتل کرنے کا کھلا لائسنس کس نے دیا ہے؟

افسوس ہماری عقل پر کہ یہ کافر گورے ہمارے لاکھوں بے گناہ آدمی قتل کر دیں تو یہ جائز اور قانونی اور یہ مہذب اور قانون پسند اور شائستہ لوگ اور ہم اپنے مقدسات کو بچانے کے لیے اپنے ایک دو مجرموں کو قتل کر دیں تو یہ ظلم، جبر اور بہیمیت اور ہم قانون کو ہاتھ میں لینے والے اور قتل کا کھلا لائسنس رکھنے والے۔جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے... بلکہ ؎

جو تیری زلف تک پہنچی تو حسن کہلائی
وہ تیرگی جو میرے نامۂ سیاہ میں ہے

استدراک

ہمارے اس موقف کا مطلب یہ نہیں ہے کہ قانونِ توہینِ رسالت کے غلط استعمال کی حوصلہ شکنی نہ کی جائے۔ بلکہ یہ حوصلہ شکنی ضروری ہے اور اس کے لیے موزوں اقدامات کیے جانے چاہئیں اور اس کے لیے جو مختلف تجویزیں سامنے آرہی ہیں ہم ان کی اصولی حمایت کرتے ہیں اور حکومت کو انہیں علماء کرام سے مشاورت کر کے حتمی شکل دینی چاہیے۔لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ جب تک دو بنیادی اقدامات نہ کیے گئے تو ان کا کوئی خاص فائدہ نہ ہوگا:

ایک: یہ کہ حکومت، عدالت، پولیس سب توہینِ رسالت کے مرتکب کو فوری سزا دینے کے لیے سنجیدہ، پرعزم اور فعال ہو جائیں۔

دوسرے: جو لوگ اپنی ذاتی اغراض اور فرقہ واریت کے لیے کسی کو قتل کریں اور نام توہین رسالت کا استعمال کریں تو عدالت میں جب ان کا جھوٹ ثابت ہو جائے تو انہیں فی الفور کڑی سزائیں دی جائیں بلکہ انہیں چوکوں میں سرعام لٹکایا جائے اور اس کی خوب تشہیر کی جائے تاکہ بدقماش اور بدفہم لوگ عبرت پکڑیں۔

توہین رسالت

تحریر: سید خالد جامعی
تلخیص: پروفیسر ملک محمد حسین

ایک گستاخِ رسول (مشال) کے قتل کی وڈیو دیکھ کر عشاق مصطفیٰ کی مذمت کرنے والے

ایک عالمِ دین سے مکالمہ

مشال خان والے مردان یونیورسٹی کے واقع اور دنیا کے سب سے وزنی بم کے افغانستان میں تباہی پھیلانے کے ایک ہی دن میں ہونے والے دو واقعات کو سامنے رکھ کر جناب خالد جامعی صاحب نے ایک چشم کشا طویل مضمون تحریر کیا جو محض مضمون نہیں ایک پوری کتاب ہے۔ اس مضمون کی تلخیص البرہان کے موجودہ شمارے میں پیش کی جا رہی ہے جناب خالد جامعی صاحب سے اس درخواست کے ساتھ کہ اپنے طویل مضمون میں موزوں اضافے فرما کر اسے کم از کم ڈیڑھ سو صفحات کی کتاب کی شکل میں مرتب کر دیں۔ ہم جامعات اور دینی مدارس سے درخواست کریں گے کہ مجوزہ کتاب شائع ہونے کے بعد طلبہ کو لازمی مطالعہ کے طور پر پڑھائیں۔ ان شاء اللہ اس سے علم و فہم اور امن کی طرف اذہان کو متوجہ کرنے میں مدد ملے گی۔ ادارہ

فلم کا اثر Video Impact کتنا خطرناک ہوتا ہے؟ بڑے بڑوں کا ایمان خطرے میں پڑ گیا

لبرل ازم کی درندگی اور قتل عام کی تاریخ مشال کے واقعے سے بھی زیادہ بدترین اور ناقابل بیان ہے

لبرلز، سیکولرز کو اپنے جھوٹ پر یقین تھا، علماء کو عاشقان رسول کے ایمان پر یقین نہیں تھا!

قرآن نے انتباہ کر دیا تھا کہ اہل ایمان کے خلاف جب بھی کوئی شہادت کفار اور منافقین کی طرف سے آئے تو اسے سنتے ہی مسترد کر دو اور کہہ دو کہ یہ الزام صریح بہتان ہے

مشال والے واقعے کے دن امریکہ نے دنیا کا سب سے بھاری بم افغانستان میں پھینکا بم نے تین بستیوں کو تباہ اور ہزاروں لوگوں کو قتل کر کے جو تباہی پھیلائی اس کی Video Film امریکہ نے کسی کو بنانے نہیں دی۔ لہٰذا اس بم کی تباہی کسی کو محسوس نہیں ہوئی

عاشقان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غصہ، ویڈیو فلم نے محفوظ کر کے حقیقت حال کو مسخ کر کے رکھ دیا۔

افلاطون نے اسی لیے کہا تھا کہ میری ریاست سے آرٹسٹوں کو نکال دو یہ Third Order Reality تخلیق کرتے ہیں

امریکہ اسی لئے ڈرون حملوں کی فلم جاری نہیں کرتا، بنانے والے کو اسی وقت گولی مار دیتا ہے کیوں؟

مشال کو مارنے والے اس کے قریبی دوست عمران علی نے عدالت کے سامنے بیان دیا کہ مشال، مذہب، رسالت، اسلام سب کی توہین کرتا تھا، اس سے تعلقات منقطع کر لئے تھے۔ واقعے والے دن یونیورسٹی میں ہزاروں کی تعداد میں لوگ، طلباء اور یونیورسٹی کے عملہ کی ایک ہی آواز تھی گستاخ رسول کی ایک سزا، سرتن سے جدا۔ سرتن سے جدا... جس پر میرا ایمان ہے اس پر لبیک کہتے ہوئے میں اس کی تلاش میں نکلا میں نے اسے مارا بعد میں حالات یہ تھے کہ ہر بندے نے اسے مارا (جنگ کراچی ۳۰ اپریل ۲۰۱۷)... عمران علی ان تمام علماء پر بازی لے گیا جنھوں نے یہ نعرے تخلیق کئے تھے وہ خود اس تخلیق کے ایمانی نتائج کا بوجھ نہ اٹھا سکے، ہر عقیدہ قربانی مانگتا ہے، آپ قربانی دینے پر تیار نہیں۔ آپ سے اچھا تو لبرل ازم کا سب سے بڑا فلسفی John Rawls اور، اس کا شارح Derben ہیں جنھوں نے لکھا کہ جو آزادی کے عقیدے، جمہوریت، آئین، دستور کو نہیں مانتا اس کی عقلی دلیل مانگتا ہے اسے گولی مار کر جان سے ماردو، اسے اس طرح ختم کردو جس طرح جنگوں اور جراثیم کو ختم کردیا جاتا ہے۔

افغانستان میں دنیا کا سب سے بڑا بم مشال والے واقعے کے دن گرایا گیا

ہزاروں لوگوں کے مرنے کا واقعہ غیر اہم ہو گیا! مشال خان کا واقعہ سب سے اہم ہو گیا۔ کیوں؟

(ایک محترم عالم دین سے مشال خان واقعے کے بارے میں تفصیلی گفتگو ہوئی اس گفتگو کو لفظ بہ لفظ یہاں پیش کیا جارہا ہے۔

ایک بہت بڑے عالم دین نے مشال خان واقعے پر ایک بیان دیا اور ایک مضمون لکھا جس میں کہا گیا تھا کہ "مردان یونیورسٹی کے ہولناک واقعے نے دنیا بھر میں پاکستان کو بدنام کیا اور ہمارے سر شرم سے جھکا دیے۔ اسلام کسی کو اس طرح مارنے کی اجازت نہیں دیتا۔ حکومت کو سوچنا چاہیے کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ اسکی وجہ کیا یہ تو نہیں ہے کہ حکومت نے آج تک توہین رسالت کے کسی سزا یافتہ مجرم کو پھانسی کی سزا نہیں دی۔ آسیہ بی بی کی سزا ملتوی ہو رہی ہے، جیلوں میں کئی مجرم پھانسی کے منتظر ہیں"۔

راقم نے اپنا مضمون "پاکستانی میڈیا کیا کام کرتا ہے، اسکا علاج کیا ہے؟" حضرت والا کو ارسال کیا تو ان کا فون آیا اور حضرت نے کہا کہ یہ مضمون بہت اہم ہے، ہم نے قندیل بلوچ

اور مشال خان واقعے کو آپ کے مضمون میں اٹھائے گئے سوالات کی روشنی میں سرے سے نہیں دیکھا...آپ کے تمام دلائل سب کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہیں لیکن مشال خان کی جو فلم ہے اس کا کیا جواب دیا جائے۔ لوگ پوچھتے ہیں یہ فلم دیکھی ہے، اتنی بہیمیت، اتنی بربریت کوئی شک نہیں۔ راقم الحروف نے عرض کیا جس دن مشال خان کو مردان یونیورسٹی میں قتل کیا گیا ٹھیک اسی دن، اسی وقت امریکہ نے افغانستان کے صوبے ننگرہار کے ضلع آچن میں دنیا کا سب سے بڑا وزنی بم B/GBU-43 گرایا جس کی آواز چار ملکوں میں سنی گئی۔

داعش کے چھتیس جنگجوؤں کو قتل کرنے کے لئے ایک پوری بستی، ایک پوری ہنستی بستی آبادی، درختوں، پودوں، جانوروں، عورتوں، بچوں کو جلا کر راکھ کر دیا گیا، اس بستی کے چشمے، دریا، ندی، نالے، ماحولیات سب زہریلے مادوں سے سو سال تک کے لئے آلودہ ہو گئے۔ سینکڑوں یا شاید ہزاروں لوگ مارے گئے، مرنے والوں میں تیرہ ہندو بھی ہیں جن کا داعش سے کوئی تعلق نہیں تھا لیکن ہندوستان نے بھی اس پر احتجاج نہیں کیا، آگ لگنے کے بعد جلتے ہوئے جانور، آگ میں جلتے ہوئے گھر، دھماکے سے مجروح، مضروب ہونے والی عورتوں، بچوں، بوڑھوں، جانوروں، پرندوں کی چیخ و پکار اس کی کوئی ویڈیو فلم بننے نہیں دی گئی یہ سب چھپا دی گئی...ابھی تک امریکی فوجی حکام اور افغان حکومت نے دنیا کے سب سے بڑے بم کو گرائے جانے کے نتیجے میں ہونے والی ہلاکتوں کو دنیا سے چھپایا ہوا ہے۔ ناٹو ہیلی کاپٹروں کے آپریشن کے ذریعے تمام لاشوں کو بمباری کے مقام سے ہٹا دیا گیا ہے مگر کسی کو معلوم نہیں کہ یہ لاشیں افغانستان میں ہی موجود ہیں یا پھر ان پر بم کے اثرات جانچنے کے لئے انہیں کسی دوسرے ملک میں پہنچا دیا گیا ہے۔ تمام لاشوں کو جائے وقوع سے ہٹانے کے بعد وہاں کی تصاویر اور ویڈیو جاری کر دی گئی ہے جس میں متاثرہ علاقے میں جلے ہوئے درخت اور فصلیں دیکھی جا سکتی ہیں۔ افغان اور امریکی حکومت اور ان کے زیر اثر میڈیا صرف اور صرف B/GBU-43 کی تعریفوں میں رطب اللسان ہے۔ امریکی حکام کی جانب سے جاری کی گئی تصاویر اور وڈیو کے مطابق زرعی پیداوار اور درختوں کی تباہی واضح طور پر دیکھی جا سکتی ہے جبکہ کئی احاطوں اور گھروں کی چھتوں کی تباہی بھی واضح ہے گھر کے مکینوں کا کسی کو علم نہیں ہے۔ امریکی اور افغان حکام صرف اور صرف سرنگوں کی بات کرتے ہیں مگر اسد خیل، تنگائی اور لانسائی احمد میں رہنے والے افغان دیہاتیوں کے بارے میں سب خاموش ہیں۔ پہلے امریکی حکام نے کہا تھا کہ اس بم سے ۳ کلومیٹر قطر میں آئی ہوئی ہر شے ختم ہو جاتی ہے مگر اب کہا جا رہا ہے کہ یہ ہلاکت آفرینی ۲ کلومیٹر

تک تھی۔ بھارتی میڈیا کے مطابق مارے جانے والوں میں ۱۳ بھارتی باشندے بھی تھے۔

افغانستان میں ہزاروں لوگ مرے مگر اس کی ویڈیو فلم جاری نہیں کی گئی

لہٰذا یہ بدترین دہشت گردی نہ لبرل مفکرین کو نظر آئی نہ اسلام پسندوں کو

امریکہ نے اس حملے کے بعد تباہی کی کوئی ویڈیو فلم جاری نہیں کی، اسی لئے دنیا کے کسی مفکر اسلام، کسی عالم دین، کسی لبرل، سیکولر کو یہ واقعہ اہم نظر نہیں آیا مگر اسی دن مشال خان کا واقعہ پوری دنیا کا مرکزی موضوع بن گیا۔ علماء نے بھی اسی واقعے کو اہمیت دی کیونکہ ضلع آچن میں ہونے والی دہشت گردی کی امریکہ نے کوئی ویڈیو جاری نہیں کی نہ کسی کو اسکی ویڈیو بنانے دی گئی لہٰذا آپ جیسے عالم دین کو بھی تاریخ انسانی کا اتنا بڑا واقعہ غیر اہم نظر آیا، اسکے بارے میں آپ کا اور دیگر جدیدیت پسند علماء کا جو مشال کے حامی بن گئے ہیں کوئی بیان نہیں آیا سب کو صرف اور صرف مشال خان کا واقعہ یاد رہ گیا...صرف اس لئے یاد رہ گیا کہ اس کی ویڈیو فلم بن گئی تھی۔ اگر وہ فلم نہ بنتی تو کبھی...آپ مشال خان کو شہید نہ کہتے۔

مشال خان والے واقعے کی سفاکی کا افغانستان میں ہونے والی درندگی، سفاکی سے کوئی موازنہ نہیں دنیا کو دنیا کے سب سے وزنی بم کے گرنے سے ہونے والے نقصانات کا کوئی علم نہیں لیکن پوری دنیا کو مشال خان واقعے کا علم ہے۔ اس واقعے کی ہر کوئی مذمت کر رہا ہے جس میں صرف ایک شخص ہلاک ہوا ہے (جو قابل افسوس ہے) اور بم والے واقعے کی کوئی مذمت نہیں کر رہا جس میں سینکڑوں، ہزاروں لوگ ہلاک ہوئے اسکی وجہ آزادی کا پجاری میڈیا اور عالمی استعمار ہے وہ جسے دہشت گرد کہنا چاہیں گے ثابت کر دیں گے جس موضوع کو اہم بنانا چاہیں گے اہم ثابت کر دیں گے اور بڑے سے بڑے حادثے اور سنگین دہشت گردی کو ایک معمولی واقعہ ثابت کریں گے یہ میڈیا وار ہے میڈیا عالمی استعماری قوتوں کا ایجنٹ ہے۔

افسوس ہے کہ عالم اسلام ابھی تک ان مسائل و مباحث کو سمجھ ہی نہیں سکا۔ ہم نے محترم عالم دین سے عرض کیا کہ آپ سے کیا شکوہ کیا جائے ہمارے عالم اور فلسفی دوست تک اسی ویڈیو فلم کو دیکھ کر متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے جنہوں نے ساری زندگی فلسفہ پڑھنے، پڑھانے اور میڈیا کی مابعد الطبیعیات پر غور و فکر میں گزار دی وہ بھی میڈیا اور فلم کی پیدا کردہ Third order reality سے اتنے متاثر ہوئے کہ فلسفہ، منطق اور میڈیا پر تنقید کے اصول سب ہی بھول گئے تو

ہم ،آپ سے کیا شکوہ کریں۔

ایک ویڈیو فلم نے بڑے بڑوں کے عشق رسولؐ کا خاتمہ کر دیا

ویڈیو فلم اگر نہ بنتی تو ہمارے دوست عالم دین زاہد صدیق مغل جیسے فلسفی کو یہ کہنے کی ضرورت نہ پڑتی کہ مشال خان واقعے کے قاتلوں کو ہیرو نہ بننے دیا جائے۔ ہمارے محترم فلسفی اور عالم دین کبھی یہ سوال نہ اٹھاتے کہ مشال خان کو قتل کرنے والوں کے پاس توہین رسالت کا کیا ثبوت تھا۔ ثبوت کے بغیر تو کسی کو نہیں مارا جاسکتا یہ قرآن کا حکم ہے۔صوفی احمد جاوید صاحب فرما رہے تھے کہ درندوں کو عشق رسالت کی نگہبانی نہیں دی جاسکتی۔انہیں دکھ تھا کہ وہ مردان یونیورسٹی کے بہیمانہ واقعے پر کھل کر آزانہ اظہار خیالات کر کے ان دہشت گردوں کی مذمت نہیں کر سکے۔اپنے دکھ کا اظہار انہوں نے اپنے فیس بک پیج پر ایک پوسٹ میں کیا کہ" میں کبھی کبھی دعا کرتا ہوں کہ اللہ مجھ ناچیز کو ایمان وعمل کی سلامتی کے ساتھ ڈاکٹر پرویز ہود بھائی کی سی جرات اور درویشی عطا کرے"۔ ہود بھائی کو درویش کہنا اس اصطلاح کی توہین ہے لیکن مشال خان کی حمایت میں احمد جاوید صاحب بہت آگے چلے گئے ہیں۔ یہ سب اس فلم کا ردعمل ہے جس نے ان فلاسفہ اور علماء کی سوچنے ،سمجھنے کی صلاحیتوں کو سلب کر لیا ہے یہ تصویر کا اثر ہے اسی لئے تصویر امت کے اجماع سے حرام ہے اور تمام الہامی مذاہب میں تصویر حرام رہی ہے ۔تصویر کے حامیوں کو اس اجماع اور حکم کی حکمت اب سمجھ میں آگئی ہوگی۔

ہم نے حضرت سے عرض کیا کہ تین ہزار عاشقان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کوئی کھڑا نہیں ہوا، دومنٹ کی ایک فلم نے بڑے بڑوں کا عشق رسول نکال دیا۔ اگر،مگر، چونکہ، چنانچہ، کیا حکم ہے لیکن، ولیکن سب کی زبانیں لڑکھڑا گئیں ،ہاتھ پاؤں پھول گئے ،یہ تصویر کی طاقت ہے تمام تہذیبوں میں تصویر اسی لئے حرام تھی کہ یہ حقیقت کو مسخ کر دیتی ہے۔افسانے کو حقیقت بنا دیتی اور ظالم کو مظلوم اور تمام مظلومین کو ظالم ٹھہرا دیتی ہے۔مشال واقعے میں ایسا ہی ہوا۔وہ علماء جو تصویر کو حلال کر رہے ہیں وہ جان لیں کہ تصویر کتنا خطرناک کام کرتی ہے۔

لبرل ازم،انسانی حقوق کے منشور کے ذریعے ... ہر شخص کو بکواس کرنے کی آزادی دیتا ہے مگر اس بکواس کو سن کر مشتعل ہونے والوں کو مشتعل ہونے کی آزادی نہیں دیتا وہ بکواس کرنے والے کے تمام جذبات کو اظہار کے مواقع دیتا ہے اور اس بکواس پر مشتعل ہونے والوں کو اپنے

جذبات کے اظہار کے مواقع نہیں دیتا، اسے انسانیت دشمنی، بہیمیت، سفا کی قرار دیتا ہے اور اس طرح آزادی کے عقیدے کو الحق ثابت کرتا ہے اگر ہر شخص کو اپنے گندے جذبات وخیالات کے اظہار کا حق حاصل ہے تو تین ہزار طلباء کو بھی اپنے جذبات کے اظہار کا حق حاصل ہے اگر مشتعل کرنے کی آزادی ہے تو مشتعل ہونے والوں کو بھی سب کچھ کرنے کی آزادی ہونی چاہیے۔ یہ منطقی اصول اور عقلی رویہ ہے یا نہیں؟ تمام لبرل اور متجدد مولوی جدیدیت کے ڈسکورس میں اس سوال کا جواب دینے کے پابند ہیں یہ سوال ہی... اصلاً سوال کا جواب ہے۔ محترم علمائے کرام آپ رجم کی سزا کے حامی ہیں۔

اگر کبھی رجم کی سزا کی ویڈیو جاری ہوجائے تو لوگ رجم کی سزا کے بھی خلاف ہوجائیں گے اور پوری دنیا کا میڈیا آپ کے خلاف دہائی دے گا۔

افسوس ہے کہ ہمارے جدیدیت پسند علماء مشال خان کی ویڈیو فلم دیکھ کر جذبات کی رو میں بہہ گئے ایسے ہی کمزوروں کی ایمان کی سلامتی کے لئے شریعت نے تصویر کو حرام کیا تھا... انہیں تین ہزار طلباء کا جرم بہیمیت و درندگی نظر آیا... اسکے مقابلے میں توہین رسالت کا جرم بہت معمولی، کمزور نظر آیا... یہ امت اپنے عقیدے کی جنگ ہار گئی ہے۔ رحم، ترس اور رافت کے جذبے نے خالق کے حکم اور محبت پر مخلوق کی محبت کو ترجیح دلا دی ہے یہی انسانیت پرستی Humanism ہے۔ اسی لئے سب کہہ رہے ہیں ہمارا مذہب انسانیت پرستی ہے۔ مشال بھی خود کو Humanist لکھتا تھا۔

انسانیت پرستی کا جدید مغربی عقیدہ آزادی کے باطل عقیدے کے ساتھ ہمارے راسخ العقیدہ حلقوں میں بھی سرایت کر رہا ہے یہ توبہ، استغفار، اور تجدید ایمان کا وقت ہے۔

اسلامی علمیت میں اہل سنت والجماعت کی علمی روایت میں توہین رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سلسلے میں توہین کے الفاظ کو سننے والے اور اس پر مشتعل ہو کر قتل کرنے والے... کا اثر ہی موثر مانا گیا۔ عاشق رسول کا عمل ہی حجت ہے، اس کا فعل ہی ثبوت ہے یہ فقہ کا نہیں باب ایمان کا مسئلہ ہے جس پر فقہی اعتراضات وارد نہیں ہوتے۔ کوئی مسلمان توہین کا جھوٹا الزام لگا کر کسی مسلمان تو کیا کسی کافر کو بھی قتل نہیں کرسکتا۔ امت کا اجماع اسی نقطہ نظر کی ترجمانی کرتا ہے، اجماع ماخذ دین ہے ہم اپنے ماخذ دین کو رد نہیں کر سکتے۔ اسی لیے غامدی صاحب اپنے "جوابی بیانیے" میں یہی

لکھتے ہیں کہ اسلام کی وہ تعبیر جو مدارس میں علماء پڑھا رہے ہیں اصل فتنہ یہ ہے کہ اس مذہبی تعبیر کو غامدی صاحب کی جدید تعبیر سے بدل دیا جائے۔ان کا دعویٰ ہے کہ مدارس میں پڑھائی جانے والی دینی علمیت ہی ضلالت و جہالت ہے اس کا خاتمہ کئے بغیر دنیا پر امن نہیں ہو سکتی۔

لبرل ازم ہر شخص کو بکواس کرنے کی مکمل آزادی دیتا ہے
مگر اس بکواس پر مشتعل ہونے کی آزادی کسی کو نہیں دیتا

قرآن وسنت کے تمام احکام سب کو مشال خان واقعے پر یاد آ گئے لیکن قرآن وسنت کا کوئی حکم کسی کو افغانستان کے صوبے میں ہونے والی تازہ ترین، بدترین دہشت گردی پر یاد نہیں آیا ہم نے ان عالم دین کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ تمام حضرات کے سوالات اور اعتراضات غالب ڈسکورس کی غالب عقلیت Dominant Discourse کے پیدا کردہ سوالات ہیں آپ مغرب کے منہاج علمی، مغرب کے پیدا کردہ ڈسکورس میں کھڑے ہو کر تعقل محض Pure Reasoning کے ذریعے اسلامی علمیت، اسلامی منہاج اور اسلامی ڈسکورس کے بارے میں سوالات اٹھا رہے ہیں یہ طریقہ کار ہی بنیادی طور پر غلط ہے یہ Idea of incommensurability ہے۔اصولی طور پر جب ایک ڈسکورس یعنی اسلام غالب ہی نہیں ہے اس مغلوب ڈسکورس کی حرکیات، احکامات پر غالب ڈسکورس کی روشنی میں سوال اٹھانا ہی غلط ہے وہ ڈسکورس جب موجود ہی نہیں کسی ریاست میں علماً اور عملاً نافذ العمل ہی نہیں اس پر اعتراضات کرنا بھی غیر علمی رویہ ہے۔

رچرڈ رارٹی نے لکھا امریکہ نے جرائم کیے ہیں مگر ہم نے اپنے آپ کو معاف کر دیا ہے

ہم نے حضرت سے عرض کیا اگر آپ حضرات اسلامی علمیت، اسلامی تہذیب و تاریخ میں کھڑے ہوتے تو کبھی یہ سوالات اٹھا ہی نہیں سکتے تھے۔آپ نے اسلامی شریعت، اجماع امت، اسلامی تاریخ میں توہین رسالت کے واقعات کو اسلامی علمیت کی روشنی میں دیکھنے، پڑھنے، جانچنے، پرکھنے کی کوشش ہی نہیں کی، آپ نے میڈیا اور لبرل ازم کے زیر تسلط آزادی کے عقیدے کے منہاج اور ڈسکورس میں کھڑے ہو کر غامدی صاحب کی طرح توہین رسالت کے اس واقعے پر سوالات اٹھا رہے ہیں جو بالکل باطل اور فاسد طریقہ کار ہے۔اسلام تو مغرب کے عقیدہ آزادی کو تسلیم ہی نہیں کرتا اسلام میں صرف بندگی، عبدیت اللہ کی غلامی کا عقیدہ پایا جاتا ہے،

آزادی کا عقیدہ تو انسان کو خدا کے مقام پر فائز کرتا ہے اسی لئے رچرڈ رارٹی نے اپنی کتاب Achieving our Country میں نہایت بے شرمی سے لکھا ہے کہ

وہ لوگ جو امریکہ کی خونی تاریخ پر شرمندہ ہیں ماضی میں اس کے جبر ظلم بہیمیت درندگی پر شرم سار ہیں ان کو شرمندہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہم نے غلطیاں کی ہیں لیکن ہم نے اپنے آپ کو معاف کر دیا ہے۔ امریکہ اپنی خدائی کا اعلان کر رہا ہے اور آزادی کا عقیدہ ہر فرد کو خدائی کے مرتبے پر فائز کر رہا ہے۔

اصل مسئلہ یہ ہے کہ تعقل غالب کے تسلط نے آپ کے سوچنے، سمجھنے کے پیمانے تک غیر شعوری طور پر تبدیل کر دئے ہیں۔ آپ اسی طرح سوچ رہے ہیں جس طرح مغرب سوچ رہا ہے... آپ نے مغرب کے تخلیق کردہ پیمانوں کو اختیار کر لیا ہے ان پیمانوں پر آپ کو اسلام ،اسلامی علمیت، عشق رسول ﷺ اور توہین رسالت پر لوگوں کا اشتعال غیر فطری، غیر عقلی، غیر منطقی نظر آرہا ہے ظاہر ہے مغرب کے منہاج، ڈسکورس کے تناظر میں تو یہ نتائج بالکل درست ہیں مگر اسلامی علمیت اور اجماع امت کی روشنی میں آپ حضرات کے نتائج سو فیصد غلط ہیں۔ مغرب کو پڑھتے پڑھتے، مغرب پر تنقید کرتے کرتے آپ حضرات خود مغرب کے رنگ میں رنگے جا چکے ہیں۔ نطشے نے بالکل درست کہا تھا کہ بھوت سے لڑنے والے، بھوت سے لڑتے لڑتے آخرکار خود ہی بھوت میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ یہ مغرب کے غلبے کی طاقت ہے۔

"The who fights with monsters might take care lest the thereby become a monster. And if you gaze for long into an abyss, the abyss gazes also into you" Nietzsche, Friedrich

امریکہ ڈرون حملوں کی ویڈیو فلم کیوں جاری نہیں کر رہا؟
ڈرون حملے کی فلم بنانے والوں کو کیوں قتل کر دیتے ہیں

ہم نے حضرت والا سے چند سوالات کیئے:

۱۔ کیا یہ بات آپ کے علم میں ہے کہ امریکہ ڈرون حملوں کی فلم کیوں جاری نہیں کرتا؟ کیا آپ نے کبھی ڈرون حملوں کے بعد کسی بستی میں لگنے والی آگ، پھیلنے والی تباہی و بربادی کی کوئی ویڈیو فلم دیکھی ہے؟ جواب ملا کوئی ویڈیو نہیں دیکھی... ہم نے عرض کیا امریکہ کیوں فلم جاری نہیں کرتا صرف فلم ہی جاری نہیں کرتا بلکہ ڈرون حملے کے وقت کوئی شخص رپورٹر کیمرہ موبائل اگر اس

دہشت گردی کی فلم بنانے کی کوشش کرے تو اسے قتل کر دیتا ہے آخر کیوں؟...اسی لئے کہ اگر اس حملے کی فلم بن گئی اور آپ نے دیکھ لی تو آپ جیسے لوگ فوراً امریکہ کی مذمت شروع کر دیں گے اور اگر فلم جاری نہیں ہوگی تو بڑے سے بڑے دہشت گردی پر بھی آپ جیسے لوگ چپ رہیں گے۔ آپ کو اس کا اندازہ ہی نہیں ہوگا۔اور اندازہ ہو بھی جائے تو میڈیا پر کچھ نشر نہیں ہوگا لہٰذا جب ویڈیو فلم ہی نہیں ہوگی تو کسی قسم کا کوئی ردعمل غصہ اشتعال سرے سے پیدا ہی نہیں ہوگا۔

۲۔ ہم نے پوچھا افغانستان میں امریکہ نے آپریشن فریڈم کے نام سے جو جنگ مسلط کی ،نو دس سال تک اس نے کسی مرنے والے امریکی سپاہی کی لاش کی تصویر کیوں جاری نہیں کی۔ امریکی سپاہیوں کی رسم تجہیز و تکفین و تدفین کی کوئی ویڈیو جاری نہیں ہونے دی۔سپاہیوں کے اہل خانہ، بیوی، بچوں کے آہ و بکا کی کوئی ویڈیو نہیں بننے دی۔آخر کیوں؟

فلم اور تصویر افسانے کو حقیقت اور حقیقت کو افسانہ بنا دیتی ہے

تصویر کلیت میں سے ایک جزو کو محفوظ کر کے کلیت کو باطل کر دیتی ہے

۳۔ ہم نے سوال کیا کہ ایمانداری سے بتایئے کہ اگر یہ ویڈیو فلم جاری نہ ہوتی تو آپ کے وہی تاثرات، جذبات اور تعصّبات ہوتے جو آپ کے بیان اور مضمون میں چھلک پڑے؟ انہوں نے فرمایا کہ ویڈیو فلم نہ ہوتی تو ہمارے جذبات یقیناً بالکل مختلف ہوتے بلکہ وہی جذبات ہوتے جو عاشق رسول حضرت ممتاز قادری کی شہادت پر تھے راقم نے ان کی خدمت میں عرض کیا کہ

یونانی فلسفی افلاطون اپنے مکالمے Republic میں کہتا ہے کہ میں اپنی ریاست سے تمام آرٹسٹوں، مصوروں کو نکال دوں گا کیونکہ یہ Third order reality تخلیق کرتے ہیں۔ حقیقت یہی ہے کہ تصویر جو کچھ منظر کھینچتی ہے اگر آپ حقیقت میں خود وہ منظر دیکھیں تو وہ اتنا خوبصورت نہیں ہوگا جتنا تصویر میں نظر آرہا ہے۔بعض چہرے Photogenic ہوتے ہیں یعنی وہ تصویر میں نہایت خوبصورت نظر آتے ہیں مگر حقیقت میں وہ خوبصورت نہیں ہوتے۔تصویر افسانے کو حقیقت بنا دیتی ہے اور حقیقت کو افسانہ بنا دیتی ہے۔تصویر کلیت Totality کا بیان نہیں ہے بلکہ اس کلیت کے ایک جزو (one part) کا بھی جزوی بیان ہے۔

علمائے کرام اور دینی تحریکوں کو درج ذیل کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہیے تاکہ وہ میڈیا کے سحر سے باہر آسکیں جو ان کی رہی سہی علمیت، روحانیت، طاقت، قوت اور اثر کو مسلسل تہس نہس کر رہا

ہے۔وہ اس ڈسکورس کو ترک کر کے اسلامی ڈسکورس کو اختیار کریں جس کے ذریعے دنیا کے پانچ براعظموں تک اسلام کی دعوت پہنچی تب میڈیا، انفارمیشن ٹیکنالوجی موجود نہ تھی۔

(۱) Marshall McLuhan کی کتاب Understanding Media:The Extensions of Man، The New Science: Laws of Media(۲)

Joseph Turow کی کتاب Media Today:Mass Communication in a Converging World، (۳) Mark Bauerlein کی کتاب The Digital Divide:Arguments for and Against Facebook، ...، (۴) Benjamin M. Compaine کی کتاب The Digital Divide:Facing a Crisis Or Creating a Myth، (۵) Pippa Norris کی کتاب Digital Divide:Civic Engagement, Information Poverty, and the Internet Worldwide، (۶) David B. Bolt کی کتاب Digital Divide:Computers and Our Children's Future، (۷) Mark Warschauer کی کتاب Technology and Social Inclusion:Rethinking the Digital Divide، (۸) Karen Mossberger کی کتاب Virtual Inequality:Beyond the Digital Divide

(۹) EVGENY MOROZOV کی کتاب The Dark side of Internet Freedom بتاتی ہے کہ انٹرنیٹ کے ذریعے ریاست کا سانچہ کیسے مضبوط ہوتا ہے

(۱۰) All to gether (۱۱) Sherry Trukle کی کتاب A L O N E TOGETHER:why we expect more from TECHNOLOGY and less from each other

فیس بک کی آفتوں کے سلسلے میں ہم پہلے سمیع اللہ سعدی صاحب کے نام مکتوب میں ایک تفصیلی مضمون لکھ چکے ہیں۔اس کا مطالعہ بھی مفید رہے گا۔یہ مضمون سعدی صاحب سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

۴۔ ہم نے حضرت والا سے سوال کیا کہ ویڈیو کا جو اثر ہوا یا فلم کا جو اثر نفوس انسانی پر ہوتا

ہے اس کے بارے میں آپ کی نظر سے کتابیں کیا گزری ہیں اور میڈیا کے اثرات پر آپ نے اس فن کے ماہرین کی تحقیقات دیکھی ہیں؟ تو انہوں نے اس سے لاعلمی ظاہر کی ہم نے عرض کیا کہ

علماء نے غور ہی نہیں کیا کہ مشال خان کی وہ ویڈیو جو جاری ہوئی وہ Complete Information ہے یا Missinformation ہے یا Disinformation۔ میڈیا کے تمام ماہرین تسلیم کرتے ہیں کہ vedio impact خطرناک ہوتا ہے یہ عموماً counter productive ہوتا ہے یہ کسی واقعے، حادثے، سانحے کی سچی حقیقی مکمل ترجمانی نہیں کرتا یہ اس Process کی نہیں اس Process کے ایک خاص Event کے جزوی حصے (Partial part) کی نمائندگی کرتا ہے لہٰذا ویڈیو امپیکٹ Reality کو Representation میں تبدیل کرتا رہتا ہے اور آخر کار Representaion کو ہی وہ حقیقت Reality ثابت کر دیتا ہے۔

میڈیا کا فوٹیج، تصویر، فلم حقیقت کی مکمل ترجمانی نہیں کر سکتی۔ جو شے حقیقت کی مکمل ترجمان ہی نہیں ہے اس کی بنیاد پر رائے کیسے قائم کی جا رہی ہے؟ بعض علماء نے مردان واقعے پر پہلے ہی دن۔ ویڈیو دیکھتے ہی۔ حتمی رائے کس اصول کے تحت قائم کی اس کے بارے میں بھی انہوں نے کچھ نہیں بتایا۔ یہ میڈیا کی جمالیات کا زہر ہے جو علماء تک میں اثر کر چکا ہے۔ ہمارے بعض عجلت پسند علماء اگر Bill Mckibben کی کتاب The Age of Missing Information پڑھ لیتے تو اپنی زبان کو قابو میں رکھتے فوری اجتہاد نہ کرتے اور اسلامی علمیت اور تاریخ و تہذیب اور اجماع کو برا بھلا نہ کہتے۔ علماء کرام Julie Anne Boudreau کی کتاب Public Space اور Urban Revoluation بھی پڑھ لیں تو شاید اس سے انہیں کچھ فائدہ ہو۔

۵۔ ہم نے حضرت سے نہایت ادب سے پوچھا کہ اٹھارہویں صدی سے پہلے روایتی عسکری طریقوں اور اٹھارہویں صدی کے بعد کے جدید عسکری طریقوں، توپ خانہ، بم، ہوائی جہاز، بحری جہاز، بین البراعظمی میزائل، ڈرون حملے وغیرہ کے استعمال کے بعد قدیم اور جدید طریقہ جنگ میں فرق پر۔ اور قدیم و جدید تشدد کی نوعیت ماہیت حقیقت پر آپ نے کچھ مطالعہ کیا ہے جدید تشدد کیا ہے اور روایتی معاشروں کا تشدد کیا تھا کیا قدیم تشدد بھیانک تھا یا جدید تشدد بھیانک ترین ہے؟ کیا آپ نے Max Webier کا فلسفہ پڑھا ہے جو بتاتا ہے کہ تشدد پر

صرف اور صرف جدید ریاست کا اجارہ [Monopoly of violence] ہے ۔جدید ریاست جو بھی تشدد کرے وہ ایک جائز قانونی کام ہے حضرت نے ان مباحث سے عدم واقفیت ظاہر فرمائی۔

مشال کا تشدد نظر آ گیا امریکی بم کا تشدد نظر نہیں آیا کیوں؟:

ہم نے حضرت کی خدمت میں نہایت ادب سے عرض کیا کہ ہمارے لوگوں کو یہ تک معلوم نہیں کہ روایتی مذہبی معاشروں کا تشدد subjective (موضوعی) ہوتا تھا Objective (معروضی) نہیں ہوتا لہٰذا وہ سب کو نظر آ جاتا تھا مشال خان کا واقعہ اس کی مثال ہے یہ تشدد سب کو نظر آ گیا کیوں کہ اس کی فلم بھی بنائی گئی اگر فلم نہ بنائی جاتی تو یہ تشدد بھی اتنا شدید نظر نہ آتا۔مگر اسی دن افغانستان پر دنیا کی تاریخ کا سب سے وزنی بم پھینکا گیا جس کی آواز چار ملکوں میں سنی گئی اس بم پھینکنے کے بعد کیا تباہی آئی اس کی کوئی تصویر فلم جان بوجھ کر جاری نہیں کی گی۔لہٰذا جدید تشدد کسی کو محسوس نہیں ہوا اسے نقاب پہنا دی گئی کسی نے اس پر نہ شور مچایا نہ احتجاج کیا نہ ہنگامہ کیا اگر اس تشدد کی فلم آ جاتی کہ صرف داعش کے چھبیس لوگوں کو قتل کرنے کے لیے سینکڑوں لوگوں کو قتل ہزاروں کو زخمی اور تمام علاقے کو تباہ و برباد کر دیا گیا خون میں لت پت لاشیں، جلے ہوئے گوشت کے ٹکڑے، جلتے ہوئے انسان، عروسی لباس میں چیختی چلاتی بھاگتی جلتی ہوئی دلہن۔ جلے ہوئے کپڑے اتار کر بھاگتی ہوئی ننگی لڑکیاں، چیختے پکارتے خون میں نہاتے ہوئے معصوم بچے، جلتے اور مرتے بھیڑ بکریوں جانوروں کی ہولناک چیخ و پکار اگر مشال خان کی فلم کی طرف یوٹیوب پر نشر ہوتی تو لوگ مشال خان کے واقعے کو بھول جاتے اور کہتے کہ درندگی تو یہ ہے سفا کی کی تو انتہا یہی ہے اور یہ درندگی سفا کی بلا وجہ ہے اسی لیے علماء کو بھی صرف مشال والا واقعہ متشدد نظر آیا افغانستان پر امریکہ کا بم پھینکنا ایک عام واقعہ تھا جدید ٹکنالوجی حقیقت کو التباس Blure سے بدل دیتی ہے۔ علماء نے بم پر کوئی بیان نہیں دیا امریکہ کے بارے میں وہ الفاظ ادا نہیں کیے جو مردان یونیورسٹی اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں ادا کیے اس سے اندازہ کیجیے کہ ہماری رگوں میں لبرل ازم کا زہر میڈیا کی طاقت اس کی جمالیاتی قوت کے ذریعے۔کس حد تک سرایت کر چکا ہے۔

۱۹۹۶ء میں شمالی کوریا میں قحط سے چھبیس لاکھ لوگ ہلاک ہو گئے مگر کسی کو اس حادثے کی خبر بھی نہیں ملی۔غامدی صاحب مغرب کی متشدد ترین تہذیب کے مقابلے میں مردان کے واقعے سے

اسلام، مسلمانوں، اسلامی تہذیب کو دہشت گرد قرار دے رہے ہیں تو یہ ان کی جہالت ہے اور کچھ نہیں۔ تاریخ یہ ہے کہ لبرل ازم جتنے سفاک قتل عام کرتا ہے دنیا کی کوئی تہذیب اتنے قتل عام کرنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتی۔ کیوں کہ وہ انسان تھے وہ شریف لوگ تھے لہٰذا ان کی مابعد الطبیعیات صرف انہی اوزاروں کی تخلیق کا ذریعہ تھی جو فرد دشمن تھے اجتماعیت دشمن نہیں تھے جدیدیت کا پیدا کردہ تشدد New Violence پوشیدہ ومخفی ہے آپ ایک براعظم میں بیٹھ کر دوسرے براعظم میں میزائل سے قتل عام کردیتے ہیں اس عمل میں اتنے لوگ اتنے ادارے شریک ہوتے ہیں کہ قاتل کی ذمہ داری کا تعین ہی نہیں ہوتا۔ فاصلہ ہونے کی وجہ سے اس قتال میں حصہ لینے والا انسانوں کو قتل کرتے ہوئے کوئی دکھ افسوس ملامت تک محسوس نہیں کرتا لہٰذا جدید جنگ انسانی جذبات، احساسات رویوں سے لاتعلق کردی گئی تاکہ اس جنگ کو سفاکی کی اعلیٰ ترین حدوں تک پہنچادیا جائے چونکہ اس سفاکی کو کوئی انسان برداشت نہیں کرسکتا لہٰذا اس عمل سے انسان کو بے دخل کردیا گیا تاکہ اس کا ضمیر اس کا تجربہ ویت نام جنگ کی طرح بغاوت پر آمادہ نہ کردیا افغانستان عراق میں زمینی جنگ لڑنے والے تمام امریکی فوجی بدترین نفسیاتی مریض بن چکے ہیں ان کے انٹرویوز سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ معصوم لوگوں کو قتل کرکے اپنے ضمیر کو نہایت شرمسار محسوس کرتے ہیں۔ قدیم طریقہ جنگ میں جنگ خون تشدد کے اثرات انسانوں کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کرتے تھے۔ وہ انسان کو کم ازکم اپنی نظروں میں حقیر، کمتر، ذلیل، ظالم، خونی ثابت کرتے تھے لوگ اپنے آپ کو ملامت کرتے ہوئے زندگی بسر کرتے، قدیم جنگی طریقے لوگوں میں ضمیر، ایمان، اور صداقت کے دیے روشن رکھتے تھے، جدید طریقہ جنگ، صداقت، سچائی کا سب سے پہلے خون کرتی ہے، اسے سچائی کی ضرورت نہیں وہ میڈیا کے جھوٹ اور میڈیا سے پیدا کردہ Third order Reality کے سائے میں اپنی زندگی بسر کردیتی ہے۔

لبرل ازم نے اپنے بدترین تشدد کو بھی جمالیاتی رنگ دے دیا ہے

لبرل ازم کا کمال یہ ہے کہ اس نے تشدد، دہشت گردی انسانیت دشمنی کو جمالیاتی رنگ دے دیا لہٰذا اس کے جمال کی رنگینی تشدد کی سنگینی کی طرف لوگوں کو متوجہ نہیں ہونے دیتی۔ ترقی کو ایک عقیدے کے طور پر قبول کرنے کے بعد ترقی بھی جمالیاتی ہوگئی حالانکہ اس ترقی کے نتیجے میں روزانہ ہزاروں لوگ ہلاک ہوتے ہیں ہزاروں لوگ زخمی ہوتے ہیں اور ہزاروں لوگ عمر بھر کے لیے معذور ہوجاتے ہیں لیکن اس کے باوجود یہ جمالیاتی تشدد جو ترقی کا نتیجہ ہے کسی کو تشدد ہی

محسوس نہیں ہوتا فضائی آلودگی، آلودہ پانی، صنعتوں کے فضلے، صنعتی کاموں میں روزانہ کتنے لوگ مررہے ہیں زخمی ہورہے ہیں انٹرنیٹ اور New left میں اس سلسلے کے اعداد وشمار پڑھ لیجیے آپ حیران رہ جائیں گے مگر جدید تشدد کو کوئی تشدد ہی نہیں سمجھتا صرف مشال خان پر حملے کا واقعہ ہی تشدد کہلاتا ہے۔ غالب مسلط نظام زندگی جسے تشدد کہہ دے ظاہر ہے وہی تشدد سمجھا جائے گا یہ میڈیا اور سرمایہ دارانہ نظام کی طاقت ہے جس سے ہم ناواقف ہیں۔

جدید تشدد کی جمالیات کے چند مظاہرے دیکھیے جاپانیوں نے اپنے ظلم سے اتنے چینیوں کو ہلاک نہیں کیا جتنے چینی خود چین کے رہنما ماؤزے تنگ کے مظالم، غلط فیصلوں اور ترقی یافتہ منصوبوں کی وجہ سے قحط، بھوک، بے روزگاری، جبری منتقلی کے ذریعے ہلاک ہو گئے ان کی تعداد لاکھوں میں ہے مگر کوئی چینی اسے تشدد بربریت ظلم تسلیم نہیں کرے گا لیکن جاپان کے ہاتھوں چند ہزار چینیوں کے قتل کو قیامت تک بدترین جارحیت کے طور پر پیش کیا جاتا رہے گا۔

دنیامیں سب سے بدترین جسمانی، نفسیاتی، تعلیمی اور ذہنی تشدد اسکول جانے والے بچوں پر ہوتا ہے۔

لیکن شرمین عبید چنائے کبھی بچوں پر تشدد کی فلم نہیں بنائے گی

لبرل ازم کا تشدد مشال واقعے کے مقابلے میں ہزاروں گنا بڑا تشدد ہے

مشال کا واقعہ تاریخ کی بدترین دہشت گردی ہے: غامدی

لبرل ازم کی دہشت گردی سفا کی کا حضرت کو علم ہی نہیں

ہمارے غامدی صاحب نے عاصمہ چوہدری کو انٹرویو دیتے ہوئے مردان یونیورسٹی کے واقعے کو تاریخ انسانی کی سب سے بڑی دہشت گردی قرار دیا ہے اولاً یہ واقعہ دہشت گردی نہیں ثانیاً غامدی صاحب کو دہشت گردی کی اصطلاح کا جدید مطلب ہی نہیں معلوم۔ وہ دہشت گردی پر ایک اہم کتاب Global Terrorism پڑھ لیں ان کو اپنی جاہلیت کا اندازہ ہو جائے گا۔ ثالثاً عشق رسول کو دہشت گردی کہنا ضلالت کے سوا کچھ نہیں رابعاً غامدی صاحب لبرل ازم، سیکولر ازم، سوشلزم، نیشنل ازم، کمیونزم اور جدید عالمی استعمار امریکہ، فرانس ، برطانیہ ، چین، روس کی دہشت گردی کی تعریف سے واقف ہی نہیں اگر وہ یہ تاریخ پڑھ لیتے تو کبھی اسقدر جاہلانہ دعویٰ نہ کرتے۔ لبرل ازم کا سب سے بڑا فلسفی جان رالس جس نے مرتے ہوئے لبرل ازم کو دوبارہ زندہ کیا خود دہشت گرد ہے اسکی کتاب اور Political Liberalism Theory

of Justice پڑھ لیجئے۔

اس تمام گفتگو کے بعد حضرت والا نے پوچھا کہ توہین رسالت کے مسئلے کا حل کیا ہے؟ یہ جو تشدد کی صورت حال پیدا ہورہی ہے اسے کیسے ختم کیا جائے؟ توہین رسالت کے قانون میں کیا کیا ترامیم ہوں کہ یہ مسئلہ حل ہوجائے اور لوگ قانون ہاتھ میں لینا چھوڑ دیں؟ کیا شرعی قوانین کے نفاذ کے ذریعے یہ مسئلہ ہمیشہ کے لیے حل نہیں ہوسکتا؟

ہم نے حضرت والا کی خدمت میں عرض کیا کہ گستاخی کے واقعات ماضی میں صرف کفار سے مخصوص تھے...لیکن ۱۹۸۰ء کے بعد گستاخی کے واقعات میں مسلمانوں کے نام کثرت سے آرہے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ منشور انسانی حقوق کو تسلیم کیا گیا ہے اور اس منشور میں آزادی و مساوات عقیدے کو بھی ایک حق کے طور پر تسلیم کیا گیا ہے۔ میڈیا سیکولر تعلیمی ادارے آزادی کے عقیدے کا پرچار کررہے ہیں اس کے نتیجے میں جدید ذہن جو میڈیا یا سیکولرازم ولبرل ازم سے متاثر ہورہا ہے آزادی کے عقیدے کی اتباع میں دین، مذہب، مقدس شخصیات، دینی اقدار وروایات پر آزادانہ تنقید کرنے میں کوئی تردد محسوس نہیں کرتا علماء کا اثر کم ہوا ہے مذہبی دینی جماعتوں کی قوت کم ہوئی ہے اور بعض دینی جماعتوں نے سیاسی مصلحتوں کے باعث سیکولرازم کی بہت سی علامتوں کی اسلام کاری کی ہے لہٰذا اسلامی علمیت، عصبیت مسلسل کم زور ہورہی ہے... لبرل ازم، کیپٹل ازم،، سیکولرزم جیسے جیسے اسلامی معاشروں میں جڑ پکڑ رہا ہے توہین کے واقعات میں اضافہ ہورہا ہے لہٰذا.. توہین رسالت پر مسلمانوں کے شدید ردعمل کا سبب اسلام نہیں... آزادی کا عقیدہ اور مغرب کا پیدا کردہ آزادی کا فتنہ ہے... یہ تمام تصادمات، تنازعات، اختلافات اور جھگڑوں کا سبب ہے لیکن کوئی عالم دین آزادی کے عقیدے کا انکار نہیں کررہا اس پر تنقید نہیں کررہا...لیکن عقیدے کے ردعمل پر تنقید ہورہی ہے حتیٰ کہ مشال کا واقعہ جو اصلاً آزادی کے جدید مغربی عقیدے اور انسانی حقوق کے منشور کے خلاف سیکولر یونیورسٹی کے مذہبی طلباء کی پہلی اجتماعی بغاوت تھی اس ردعمل پر تو علماء نے خوب تنقید کی مگر اس ردعمل کے اصل محرک آزادی کے عقیدے کو کسی نے کفر قرار نہیں دیا جو بندگی کے عقیدے کا مخالف عقیدہ ہے۔

مردان یونیورسٹی کا واقعہ اصلاً آزادی کے عقیدے کے خلاف پہلی عوامی بغاوت تھی اس کے بعد سیالکوٹ میں تین لڑکیوں کے ہاتھوں ایک شاتم رسولؐ کا قتل اور چترال میں ایک شاتم رسولؐ کو قتل کرنے کے لیے ہزاروں لوگوں کا تھانے پر حملہ اس بغاوت کے مختلف رنگ ہیں اپریل

۲۰۱۷ء میں ہونے والے یہ تینوں واقعات بتارہے ہیں کہ عوام آزادی کے عقیدے کے نتائج دیکھ کر مشتعل ہوگئے ہیں وہ اپنے جذبات پر قابو نہیں رکھ سکتے ان صاحبِ ایمان لوگوں کو برا بھلا کہنے کے بجائے...علماء، مذہبی جماعتیں آزادی کے عقیدے کا انکار کردیں۔

حیرت ہے کہ آپ نے ان مباحث پر غور نہیں کیا اور صرف مردان کے واقعے کی مذمت کردی...یہ نہایت غیر ذمہ دارانہ طریقۂ کار تھا جو آپ نے اختیار کیا۔

اسلامی تاریخ میں توہین رسالت کے مجرم کو عوام نے بھی سزا دی اور خلافت و امارت کے قاضی نے بھی سزا دی...اس جرم پر سزا کا اختیار صرف قاضی یا حاکم تک محدود نہ تھا لہٰذا عہد رسالت سے لے کر خلافت عثمانیہ کے خاتمے تک اگر کوئی شخص توہین رسالت کے مجرم کو قتل کردیتا تو اسلامی خلافت و امارت اور قاضی اسے قصاص میں قتل کرنے کا حکم نہ دیتا نہ رعایا کو تلقین کی جاتی کہ آئندہ کبھی قتل نہ کرنا۔ اسلامی خلافت اور عدالت نے توہین رسالت کے جرم کی سزا پر حکومتی اجارہ داری قائم نہیں کی یہ خاص استثناء ہے جو ذات رسالت مآبؐ سے متعلق ہے...یعنی توہین رسالت کے مسئلے میں اسلامی خلافت میں دو قانونی دائرے ساتھ ساتھ چلتے رہے ہیں۔ایک نجی [Private] دوسرا سرکاری [Public]

توہین رسالت پر قتل کرنے والے سے کبھی شواہد، ٹھوس ثبوت طلب نہیں کیا گیا توہین ہوتے ہی اس کا بدیہی علم غور و فکر، تفکر و تدبر و تعقل کے بغیر ایک صاحبِ ایمان کو اس کے ایمان ایقان وجدان کی بنیاد پر براہ راست حاصل ہوجاتا ہے اس معاملے میں تمام زمانوں میں اسلامی عدالت نے اثر کو مؤثر تسلیم کیا ہے اس کا ثبوت وہ غیر معمولی اشتعال ہے جو توہین رسالت کے نتیجے میں ایک فرد کے ذہن، قلب، روح، جان اور بدن میں پیدا ہوتا ہے...لہٰذا عوام کو اس معاملے میں اشتعال کے باعث کوئی اقدام کرنے یا سزا دینے کے اختیار پر کوئی پابندی عائد نہیں کی گئی لیکن حدود و تعزیرات میں کسی کے اشتعال کو نفاذ حدود کے لیے اجازت کا قرینہ نہیں بنایا گیا...توہین رسالت کے مسئلے میں عدالت کے بغیر سزا...اس پر امت کا معاشرتی، علمی، عملی، ایمانی، روحانی، نورانی اجماع ہے اس کے باوجود اس معاملے میں عدالت کا اختیار بھی برقرار رہا...جب توہین رسالت کے قانون کو جدید ریاست نے اسمبلی اور سینٹ کے ذریعے جدید قانون کا حصہ بنالیا تو شریعت کا حکم اب Codify ہوا اور Rigidify بھی ہوگیا۔ جدید ریاست، خلافت امارت سے یکسر مختلف تھی لہٰذا اس کی عدالت بھی قاضی عدالت سے بالکل مختلف ہے۔

میکس ویبر کے الفاظ میں تشدد، اور جبر پر صرف جدید ریاست کا اجارہ ہے Monoply of Violence صرف جدید ریاست کے پاس ہے۔ جدید ریاست جو Fedralist Papers کے بعد وجود میں آئی... خلافت، بادشاہت، امارت کے مقابلے میں ہزاروں گنا جابر Tyrrant ریاست ہے جو اپنے رِٹ قائم کرنے کے لیے کسی کی رِٹ تسلیم نہیں کرتی اور اپنے اختیارات میں کسی کو حصہ نہیں دیتی۔

جدید مغربی ریاست کی دہشت کے سامنے چنگیز و ہلاکو کی دہشت بھی ماند پڑ جاتی ہے ان حکمرانوں کے پاس بھی جدید ریاست کی طرح بے انتہا اختیارات نہ تھے۔ جدید ریاست کے ان اختیارات کا ماخذ جدید سائنس اور لامحدود سرمایہ ہے قدیم ریاستیں ان دونوں ذرائع سے محروم تھیں۔

جدید ریاست نے انسانی زندگی کے ہر دائرے کو کالونائز کرلیا ہے... اسلامی خلافت میں (۱) تعلیم (۲) عدل (۳) تزکیۂ نفس، تصفیۂ قلب اور احسان وسلوک جسے تصوف بھی کہا جاتا ہے یعنی ایک فرد کا روحانی تزکیہ... صرف اور صرف علماء کی ذمہ داری تھی عالم ہی قاضی ہوتا تھا قاضی فیصلہ دینے سے پہلے عموماً مفتی اور مجتہد سے رجوع کرتا تھا لہٰذا عدل نیچے سے اوپر کی طرف جاتا تھا جدید ریاست میں عدل اوپر سے نیچے جاتا ہے اس کا معاشرے، معاشرت، معاشرتی حرکیات، معاشرے کی نبض، اقدار، روایات سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے لہٰذا عدل مہنگا بھی ہورہا ہے اور عدل کے نتیجے میں ظلم بھی عام ہو رہا ہے نظام عدل ہی ایسا ہے کہ مظلوم کے لیے دادرسی کے امکانات کم سے کم ہورہے ہیں اور ظالم کے بچنے کے امکانات مزید بڑھ رہے ہیں۔

جدید ریاست نے تعلیم، عدل، فرد کی اخلاقی، روحانی تربیت کے ان تمام دائروں کو اپنے اختیار میں لے کر علماء کو زندگی کے تمام دائروں سے بے دخل کردیا لہٰذا جدید ریاست توہین رسالت کے مسئلے میں عالم کے اختیار کو تسلیم نہیں کرتی توہین رسالت کا قانون اب مسائل پیدا کررہا ہے اس کا حل صرف یہ ہے کہ اس قانون میں ایک شِق کا اضافہ اجماع امت کی روشنی میں کردیا جائے کہ توہین رسالت کے ارتکاب پر اگر کوئی شخص مرتکب توہین کو قتل کردے تو اسے قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا۔ ظاہر ہے جدید ریاست اپنا اختیار کبھی کسی شہری کو منتقل نہیں کرے گی وہ Citizen کو جو اس کا Voter اور Consumer ہے... اسلامی علمیت کے دائرے میں دیکھنے کے قابل ہی نہیں ہے۔

اصل فتنہ آزادی اظہار رائے کا عقیدہ ہے
طلباء نے صرف قتل کیا مگر فتنہ قتل سے شدید تر ہے

ہم نے عرض کیا آپ دیکھئے کہ مردان کے واقعے کی آڑ میں آزادی اظہار رائے کے جدید مغربی کافرانہ عقیدے کی میڈیا کے ذریعے اسلام کاری کی جارہی ہے یہ تاثر دیا جارہا ہے کہ مشال کو کچھ بھی کہنے کا حق تھا مگر طلباء کو عاشقانِ رسولؐ کو غصہ میں آنے، مشتعل ہونے، قتل کرنے کا کوئی حق نہیں تھا... مشال کو اپنے جذبات کے اظہار کی مکمل آزادی تھی عاشقانِ رسولؐ کو اپنے جذبات کے اظہار کی آزادی نہیں ہے ۔ ہر طرف عشق رسولؐ کی مذمت ہورہی ہے توہین رسالت کو برداشت کرنے کا سبق دیا جارہا ہے کہا جارہا ہے کہ لوگ آزاد خیال ہوجائیں روادار ہوجائیں، برداشت کرنا سیکھیں ...مگر کوئی یہ سوال نہیں اُٹھارہا کہ رواداری، برداشت، صبرو تحمل، صرف رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے عزتی (استغفر اللہ) برداشت کرنے کے لیے کیوں؟ رواداری، برداشت، صبرو تحمل کا تقاضہ کیا یہ نہیں ہے کہ اگر تم ایک اسلامی معاشرے، معاشرت میں رہ رہے ہو تو اپنی زبان کو اور اپنے جذبات کو لگام دو، سوچ سمجھ کر بولو، اکثریت کے جذبات کی توہین، تضحیک، تذلیل و تحقیر نہ کرو زبان چلانا درندگی، بہیمیت،، وحشیانہ پن نہیں ہے بس ہاتھ چلانا ہی درندگی ہے ۔حیرت ہے کہ سب لوگ آزادی اور میڈیا کے پیش کردہ رواداری کے مغربی تخیل اور اس کے تعقل کو قبول کررہے ہیں۔

میڈیا نے مشال کی موت کی خبر سنتے ہی... بغیر کسی تحقیق اور خوف کے کہہ دیا کہ مشال بے گناہ تھا یہ ان کا اعلان تھا... آزادی کے عقیدے پر ایمان ایسا ہوتا ہے ایمان کے اعلان کے لیے کسی تحقیق کی ضرورت نہیں ہوتی مذہبی حلقے اس جرأت کے ساتھ یہ نہیں کہہ سکے کہ تمام عاشقان رسول بھی بے گناہ ہیں اصل گناہ آزادی کا عقیدہ ہے جس نے مشال کو دریدہ دہنی کی جرأت عطا کی دینی حلقوں کا اپنے ایمان پر یقین نہیں تھا فلم نے ان کا یقین متزلزل کردیا۔ مشال نے آزادی کے عقیدے کو بلندی تک پہنچادیا پہلی مرتبہ لوگوں کو یہ ہمت ہوئی کہ توہین کے مجرم کو ایک ہیرو کے طور پر پیش کریں کسی نے نہیں پوچھا کہ میڈیا جھوٹے دعوے کیوں کررہا ہے مذہبی حلقے آزادی کے عقیدے کی تنقید نہیں کررہے اسے مکمل طور پر مسترد نہیں کررہے یہ بہت بڑی غلطی ہے۔

اسلام نے واضح کردیا کہ فتنہ قتل سے زیادہ شدید جرم ہے ...مردان یونیورسٹی میں فتنہ کا

اصل سبب آزادی اظہار رائے کا جدید مغربی عقیدہ ہے ...اگر نوجوانوں نے قتل کر دیا تو یہ کوئی بہت بڑا جرم نہیں ہے ...توہین رسالت کی جرأت سب سے بڑا جرم بلکہ فتنہ ہے اس فتنے کو ایک اسلامی معاشرے میں کسی صورت میں برداشت نہیں کیا جاسکتا۔ زبان میں ہڈی نہیں ہوتی لیکن جب یہ فتنہ انگیز زبان چلتی ہے تو یہ آپ کی ہڈی تڑوا سکتی ہے کسی کو زخم لگانا کیا شرافت ہے ...ژی ژیک کے الفاظ میں میڈیا اور ریاست صرف دوسرا سوال پوچھ رہے ہیں اور علماء سے، عوام سے صرف اور صرف دوسرے سوال کا جواب مانگ رہے ہیں عربی کا محاورہ ہے تلوار کا زخم بھر جاتا ہے زبان کا زخم نہیں بھرتا۔

دور فتنہ میں ایمان کا اقرار نہیں اظہار بھی لازمی ہے
خالد بن ولید نے اذان کے قائل مگر تارک کو قتل کر دیا تھا

ژی ژیک کے فلسفے کے تحت آج کل سب لوگ جب مشال خان کے واقعے پر گفتگو کرتے ہیں تو ہمیشہ دوسرا سوال پوچھتے ہیں پہلا سوال کوئی نہیں پوچھتا تاکہ اصل حقیقت کو چھپا دیا جائے۔ میڈیا ہمیشہ دوسرے سوال کا جواب مانگتا ہے اور علماء بھی ہمیشہ دوسرے سوال کا جواب دیتے ہیں پہلے سوال کو نظر انداز کرنے کے نتیجے میں ہی آزادی کے باطل عقیدے کی اسلام کاری ممکن ہوتی ہے۔ ژی ژیک کہے گا پہلا سوال یہ ہے کہ ہڈی کیوں توڑی گئی کیا لوگ پاگل ہو گئے تھے۔ تین ہزار سیکولر لبرل طلباء کو کیا ہو گیا تھا کہ ایک انسان کو مارنے قتل کرنے پر آمادہ ہو گئے یونیورسٹی انتظامیہ کے بھی کئی ملازمین اس عمل میں کیوں شریک ہوئے اگر مشال خان طلباء کے مسائل کی آواز تھا ان کی فیس معاف کرا رہا تھا ان کے حقوق کی جنگ لڑ رہا تھا تو طلباء اس کے ساتھ کیوں کھڑے نہیں ہوئے وہ اسے مارنے کیوں آئے۔

وہ پوچھے گا زبان کا زخم کیوں نہیں بھرتا اور تلوار کا زخم کیوں بھر جاتا ہے وہ اصل محرک کا سراغ لگائے گا تاکہ اس عمل ...تشدد... یعنی دوسرے سوال کا جواب پہلے سوال کی روشنی میں تلاش کرے اور حقیقت حال کی تہہ تک پہنچے۔

میڈیا اور رائے عامہ اس وقت پہلے سوال کو دانستہ نظر انداز کر کے صرف دوسرا سوال پوچھ رہے ہیں اور لوگ صرف دوسرے سوال کا جواب دے رہے ہیں یہ دنائت اور ہٹ دھرمی ہے اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ توہین رسالت کی آزادی کا راستہ ہموار کر دیا جائے ہر عہد میں یہ امت

اپنے ایمان،عقیدے،روایات،اقدار کا دفاع کسی ایک نکتے،کسی ایک عقیدے اور کسی ایک محور کے تحت کرتی ہے۔رسالت مآبؐ کے انتقال کے بعد جب مدعیان نبوت پیدا ہوئے تو امت نے ختم نبوت کے عقیدے کو محور و مرکز تسلیم کیا اس عہد فتن میں کسی شخص کے ایمان کی علامت یہ تھی کہ وہ مدعیان نبوت کے ساتھ ہے یا ان کے خلاف ہے۔خالد بن ولید ایک علاقے میں مورچہ زن ہوئے جہاں مسلیمہ کذاب کا اثر تھا انھوں نے ایک قبیلے کے سردار کو طلب کیا اور پوچھا تم نے اذان کیوں ترک کی اس نے جواب دیا کہ میں اذان کا منکر نہیں ہوں لیکن مسلیمہ کذاب کے کہنے پر ترک کردی تھی...خالد بن ولیدؓ نے فرمایا کہ تم نے اسلامی شعار کو ترک کر کے اپنے ایمان سے انحراف کیا ہے اور اس جرم میں اسے قتل کر دیا گیا فتنے کے زمانے میں صرف عقیدے پر ایمان کافی نہیں جب کفر و ایمان میں فاصلہ بتانا ضروری ہو...تو اس ایمان کا اظہار بھی ہونا چاہیے ایمان اگر اظہار سے انکار کرتا ہے تو وہ ایمان معتبر ہی نہیں۔

کیا آپ پیغمبر کی توہین برداشت کر سکتے ہیں یہ ایمان سے متعلق سوال ہے
عہد حاضر میں ایمان ماضی کی طرح ایک نکتے میں مرکوز ہو گیا ہے

امام احمد بن حنبل کے عہد میں اسلام کی علامت یہ تھی کہ آپ فتنہ خلق قرآن کے حامی ہیں یا مخالف آپ امام احمد بن حنبل کے ساتھ ہیں یا امام احمد بن حنبل کے خلاف ہیں ایمان اس ایک مسئلے سے مشروط ہو گیا تھا۔

مرزا غلام احمد قادیانی کے مسئلے میں بھی یہی صورت حال تھی آپ اسے نبی تسلیم کرتے ہیں یا نہیں کرتے آپ کا ایمان صرف اس ایک سوال کے درست جواب پر منحصر تھا اس مرحلے پر ایمان مجمل اور ایمان مفصل اسی ایک نکتے میں سماجاتا ہے اہل ایمان کی ایک ہی شناخت نمایاں ہوتی ہے کہ وہ مرزا صاحب کی نبوت کا رد کرتے اور ختم نبوت کا اعلان عام کرتے ہیں۔یہ وہی صورت حال ہے جو گیارہ ستمبر پر حملے کے بعد پیدا ہوئی تھی جب جارج بُش نے دہشت گردی کے خلاف دنیا کے تمام دہشت گردوں کا اتحاد قائم کر کے پوری دنیا پر اپنی جنگ مسلط کرتے ہوئے پوری دنیا سے صرف ایک سوال کیا تھا تم دہشت گردی کے خلاف اس جنگ میں امریکا کے ساتھ ہو یا طالبان کے ساتھ ہو اس نے کسی کو یہ کہنے کی بھی اجازت نہیں دی کہ ہم دونوں کے خلاف ہیں ہم دونوں کو نہیں مانتے اس نے کسی کو اس جنگ میں غیر جانب دار رہنے کی بھی اجازت نہیں کہ یہ تم دونوں کا

جھگڑا ہے تم خود ہی لڑ جھگڑ کر طے کرلو اس نے فیصلہ کر دیا کہ امن عالم کی ضرورت یہ ہے کہ تم امریکا کا ساتھ دو اگر امریکا کے ساتھ نہیں ہو تو اس کا صرف ایک مطلب ہے کہ تم طالبان کے حامی ہو تم دہشت گرد ہو پوری دنیا اس ایک نکتے پر ہی متحد ہوئی۔

عہد حاضر میں ایمان عشق رسالت کے ایک نکتے میں سمٹ گیا ہے آپ پیغمبر کی توہین برداشت کرنے کے لیے تیار ہیں یا نہیں ...توہین رسالت آپ کی نظر میں جرم ہے یا نہیں ...مردان کے طلباء نے اس ایک نکتے پر اپنے ایمان کا مظاہرہ کیا ہے اور آپ ان کا ساتھ دینے کے بجائے اگر مگر سے کام چلا رہے ہیں۔

جدید ریاست اگر شریعت کے اجماع کے اصول کے تحت اس قانون میں وہ ترمیم کر دے جو ہم نے تحریر کی ہے تو اس عدالت کا اور ریاست کا اختیار ہی ختم ہو جائے گا...جدید ریاست اور عدالت اپنے اختیارات میں کسی کی شرکت کی قائل نہیں ہے کیوں کہ وہ آزادی کے عقیدے کی محافظ ہے اور آزادی کے عقیدے کی حفاظت کے باعث وہ کسی فرد کو اپنا اختیار منتقل نہیں کرسکتی انہی معنوں میں شریعت کے احکامات جدید ریاست میں نا قابل عمل ہیں اور جب بھی شرعی احکامات جدید ریاست کی پارلیمنٹ اور سینٹ کے ذریعے اکثریت کی رائے سے یا سو فی صد تائید سے جدید قانون بن کر نافذ ہوتے ہیں تو وہ اپنی روح اور جوہر Essence کھو دیتے ہیں۔

ہم نے عرض کیا مشال کے واقعے کی خبر/اطلاع DAWN اخبار نے ۱۴/اپریل ۲۰۱۷ء کو تین کالمی خبر کی صورت میں دی اور مشال والے دن افغانستان پر پھینکے گئے دنیا کے سب سے بھاری بم کی خبر صرف ایک کالمی دی گئی [DAWN 14 April 2017] یہ امتیازی سلوک کیوں؟ ایک آدمی مشال خان کے مارے جانے کی خبر سب سے اہم ...سب سے بڑی ...اور افغانستان کے ایک صوبے کے تین گاؤں میں مارے جانے والے ہزاروں انسانوں، جانوروں، چرندوں، پرندوں کے قتل عام کی بھیانک خبر انتہائی غیر اہم لبرل میڈیا جسے الحق، الخیر سمجھتا ہے اسے اہمیت دیتا ہے اس کی تین چار کالمی سطریں لگاتا ہے اس کے لیے ایک فرد مشال کی موت اہم نظر آئی مگر افغانستان میں بم پھینکنے کے نتیجے میں مرنے والے ہزاروں لوگوں کی خبر غیر اہم نظر آئی... یہ لبرل ازم کا ایمان، عقیدہ اور یقین ہے اس کے مقابلے میں ہمارا عقیدہ یقین کتنا کمزور ہے کہ ایک فلم دیکھ کر ہی عشق رسول ختم ہو گیا اور عاشقان رسول کی حمایت کا اعلان کرنے کے بجائے ہم

معذرت خواہی میں لگ گئے اس چھوٹے سے واقعے کو ہم نے خود ہی درندگی بہیمیت، وحشت، ظلم، دہشت گردی قرار دے کر لبرل لوگوں کا مقدمہ مضبوط کر دیا... DAWN نے افغانستان کے واقعے کی صرف ایک کالمی سرخی لگائی۔

Us drops mother of all bombs in Afghanistan

اس سرخی میں ہزاروں لوگوں کے مرنے کی اطلاع کو چھپا کر کس خوب صورتی سے اس حقیقت کو کفنایا اور دفنایا گیا ہے مگر مشال کی خبر کی سرخی کیسے نمایاں کی گئی ہے وہ

Student Lynched on Campus over allegations of blasphemy

لیکن خبر کی سرخی سے یہ بات واضح ہے کہ تین ہزار طلباء کا اشتعال بلا وجہ بلا سبب نہیں تھا اور اس قدر شدید اشتعال کی وجہ توہین رسالت کا جرم تھا اس طالب علم کے بارے میں بہت کچھ شائع ہو چکا ہے مولانا گوہر رحمان صاحب کے بیٹے ڈاکٹر عطاء الرحمان صاحب نے آزادانہ طور پر تمام طبقات کے لوگوں کی مجلس بنا کر اس واقعے کی تحقیقات کیں علماء کی ایک مجلس اور مختلف دینی جماعتوں کے رہنماؤں کی تحقیقات بھی سامنے آئی ہیں ڈاکٹر عطاء الرحمان صاحب کی تحقیقات سے تو ثابت ہو گیا کہ مشال توہین رسالت کا عادی مجرم تھا... مگر عطاء الرحمان صاحب کی رپورٹ میڈیا کے کسی نمائندے نے نشر نہیں کی کیوں کہ یہ آزادی کے عقیدے کو زبردست نقصان پہنچا سکتی تھی...

بی بی سی کے نمائندے وسعت اللہ خان نے ایک چینل پر جب یہ کہا کہ ''مجھے نہایت افسوس ہے کہ بہیمیت، درندگی کا ایسا واقعہ کسی دینی مدرسے میں نہیں ہوا اور ایک ایسے ادارے یونیورسٹی میں ہوا جہاں اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا'' اس بیان پر مذہبی حلقوں نے مسرت کا اظہار کیا حالانکہ یہ بیان مسرت کا نہیں دکھ اور صدمے کا سبب بننا چاہیے تھا۔ اس بیان سے دینی لوگوں نے سوچا کہ چلو میڈیا نے دینی مدارس کا دفاع کیا ان پر حملہ نہیں کیا ان کی جان تو بچ گئی مگر... وسعت اللہ کا یہ بیان ان کی حماقت کا آئینہ دار ہے اتنے بڑے صحافی کو دینی مدرسے اور سیکولر یونیورسٹی کا فرق تک نہیں معلوم... اس جاہل صحافی کو یہ تک معلوم نہیں کہ دینی مدرسے کی پندرہ سو سالہ تاریخ میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی طالب علم نے توہین رسالت کا ارتکاب کیا ہو دینی مدرسے میں توہین رسالت کے ارتکاب کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کیوں کہ اس مدرسے کی ما بعد الطبیعیات

علمیت... دینی ہے وہ نقل کو العلم سمجھتی ہے... اس دینی تعلیم کا پورا سانچہ اور ڈھانچہ قرآن وسنت کی کامل تقلید پر منحصر ہے وہاں خدا اور رسول پر تنقید، اعتراض، استہزا، تضحیک، تحقیر، تذلیل کا سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا جو شخص اللہ کے رسول کی تکریم کا قائل نہیں وہ کبھی دینی مدرسے میں داخلہ نہ لے گا لہٰذا اگر مشال جیسا واقعہ دینی مدرسے میں نہیں ہوا تو... یہ کمال نہیں ہے... یہ دینی مدرسے میں صرف ایک علمیت، [Epistomology] ایک الحق [Truth] ایک الخیر [Good] کی تعلیم و تدریس تلقین وتبلیغ کا نتیجہ ہے۔ جس معاشرے، تہذیب، تمدن اور تعلیمی نظام میں صرف اور صرف ایک عقیدہ [Only one Faith] کی تعلیم دی جائے گی وہاں کبھی اس عقیدے کے خلاف بغاوت، احتجاج، تنقید، تضحیک کا تصور پیدا ہی نہیں ہوسکتا لبرل ازم اس طریقۂ کار اور طریقۂ تعلیم کو تنوع [Diversity] آزادی [Freedom] رنگا رنگی [Mutiplicity] کے خلاف سمجھتا ہے اور تنقید کے نام پر علمی ارتقاء کی تعلیم دے کر علمی ترقی کا دعویٰ کرتا ہے مگر حیرت انگیز طور پر ان تمام جدید سیکولر لبرل تعلیمی اداروں میں تمام تنقید صرف اور صرف مذہب پر ہوتی ہے اسے [Critical Thinking] سمجھا جاتا ہے حالانکہ مغرب میں کوئی [Critical Thinker] مذہب پر تنقید نہیں کرتا وہ جدیدیت کے پیدا کرتا نظام اور اس کے اداروں، اس کی ٹیکنو سائنس، سائنسٹر ازم، آزادی اور عقلیت کے عقیدے، سائنس اور سوشل سائنس وغیرہ پر تنقید کرتا ہے کیوں کہ وہ مذہب کو علم ہی تسلیم نہیں کرتے لہٰذا کسی غیر علمی چیز پر تنقید بھی نہیں کرتے لیکن پاکستان کے لبرل صرف مذہب پر تنقید کرتے ہیں۔ سائنس، جمہوریت، کیپٹل ازم، سوشل سائنس، عقلیت پرستی، آزادی کے عقیدوں پر تنقید نہیں کرتے ان سب کو یہ بدیہی صداقتوں کے طور پر لیتے ہیں ان کو وہ Taken for granted اور Self evident evidence سمجھتے ہیں یہ رویہ صرف پاکستان میں نہیں ہے بلکہ یوروپ امریکا اور پورے مغرب میں ہے۔ مذہب پر تنقید ہوتی ہے مگر کبھی سائنس، سوشل سائنس کی مابعد الطبیعیات پر تنقید نہیں ہوتی کبھی ترقی اور جمہوریت کے عقیدوں پر تنقید نہیں ہوتی کوئی تنقید کر دے تو سب اس کے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔

مغرب کی تعلیم گاہوں میں اگر کوئی تصادم جھگڑا نہیں ہوتا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں اسکول سے لے کر یونیورسٹی تک ایک ہی عقیدے کی تعلیم دی جاتی ہے آزادی کا عقیدہ اور اس کا نفاذ غلبے اور تسلط کے لیے اکنامکس کا علم اور ان پر کسی تنقید کی آزادی نہیں لہٰذا مغرب کی جامعات میں مدارس دینیہ کی طرح کوئی جھگڑا نہیں ہوتا سب ایک عقیدے کی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔

پاکستان کی جامعات میں مستقبل میں مشال خان جیسے واقعے کے خاتمے کا طریقہ صرف یہی ہے کہ ان میں صرف اسلام کے عقیدے کی تعلیم دی جائے اور اس سے متصادم تمام عقیدوں، ماڈرن ازم، منشور انسانی حقوق وغیرہ کی تعلیم پر پابندی عائد کر دی جائے۔

مشال جیسا واقعہ صرف اور صرف جدید سیکولر یونیورسٹی میں ہی پیش آ سکتا ہے جہاں دو عقیدے، دو الخیر، دو الحق بیک وقت پڑھائے جاتے ہیں ایک جانب اسلامیات کے لازمی نصاب کے ذریعے اسکول سے یونیورسٹی تک طالب علم کو بندگی، اطاعت رب، ایمان بالرسل، آخرت، تقلید قرآن وسنت کا درس دیا جاتا ہے۔ مسجد، مدرسہ، معاشرت میں دینی علمیت غالب ہے پاکستان کی ریاست صرف آئین میں زبانی طور پر اسلام کی حاکمیت اور اسلامی شریعت کی بالا دستی کا دعویٰ کرتی ہے مگر عملاً جو صورت حال ہے سب جانتے ہیں۔ دوسری جانب سائنس کے ذریعے اسے خدا کی بندگی سے بے گانہ کرنے کے لیے Cause Effect علت معلول کا قانون پڑھایا، سکھایا، بتایا اور رٹایا جاتا ہے۔ سوشل سائنس کے ذریعے انسانی حقوق... عقیدہ آزادی اور مساوات کا سبق پڑھایا جاتا ہے لہٰذا ایک طالب علم جدید سیکولر یونیورسٹی میں علم اور عقیدے اور تاریخ وتہذیب کی دو کشتیوں میں سفر کرتا ہے دو ماخذات [Two Sources] سے علمیت حاصل کرتا ہے ایک علمیت اسے بندگی، سپردگی، اطاعت، تقلید، توحید رسالت، آخرت، حشر نشر کی دعوت دیتی ہے دوسری علمیت اسے کامل مطلق آزادی اور خدا بننے کی آزادی عطا کرتی ہے جب طالب علم دو کشتیوں میں سفر کرتا ہے تو اس کا انجام مشال خان کی صورت میں نکلتا ہے چونکہ پاکستان میں مسلمانوں کی اکثریت ہے یہاں کی تہذیب، ثقافت، معاشرت، معاشرہ ابھی تک اسلامی ہے علماء، مدارس، خانقاہ، مساجد کا اثر عام آدمی کی زندگی پر بہت گہرا ہے لہٰذا طلباء خالص سیکولر کافرانہ تعلیم حاصل کرنے کے باوجود عملاً مسلمان ہی رہتے ہیں اور لبرل ازم اور آزادی کے کفر کو تسلیم نہیں کرتے لیکن وہ طلباء جن کا مذہبی شعور بہت کم زور ہے جو پہلے سے الحاد، دہریت، اباحیت کا شکار ہیں وہ جدید سیکولر تعلیمی اداروں میں آزادی کے عقیدوں کی فلسفیانہ مغربی تعبیروں کو جب الحق سمجھ کر پڑھتے اور الخیر سمجھ کر قبول کر لیتے ہیں پھر آئین میں دیئے گئے حق اظہار رائے کی آزادی کے تحت... مذہب دشمنی پر مبنی اپنے افکار کا ابلاغ کرتے ہیں تو اس کا نتیجہ کشیدگی، کشمکش اور جنگ کی صورت میں نکلتا ہے تمام سیکولر یونیورسٹیاں اپنے احاطے میں مدارس کی طرح صرف ایک عقیدے ایک الخیر ایک الحق کا ابلاغ کریں اور آزادی کے عقیدے کو نصاب اور نظام تعلیم سے فارغ کر دیں تو یونیورسٹی میں کوئی مشال خان نہیں پیدا ہوگا جب مشال خان نہیں پیدا ہوگا تو

مذہبی اکثریت کے طلباء کے جذبات کو بھی مشتعل نہیں کرے گا جب جذبات ہی مشتعل نہیں ہوں گے تو مردان یونیورسٹی کا واقعہ بھی پیش نہیں آئے گا...اتنی سی بات نہ ریاست کی سمجھ میں آرہی ہے نہ حکومت کے، نہ عوام کے، نہ علماء کے، نہ مفکرین و مدبرین کے...سب اسلام کو الزام دے رہے ہیں، اسلام کو گالیاں دے رہے ہیں اور خود مذہبی حلقے بھی یہی سوچ رہے ہیں کہ ہمارے اندر کوئی مسئلہ ہے کوئی کم زوری ہے کوئی خلل ہے کوئی دریچہ ہے جو یہ مسئلے پیدا کررہا ہے مسئلہ صرف اور صرف آزادی کا جدید کافرانہ عقیدہ پیدا کررہا ہے جو منشور حقوق انسانی کے ذریعے ہمارے آئین کا حصہ بنادیا گیا ہے جس کی تعلیم اب اسکول کالج یونیورسٹی میں عام ہے میڈیا اس کافرانہ عقیدے کا کھلم کھلا دفاع کررہا ہے مگر دینی حلقے ابھی تک سورہے ہیں وہ اس عقیدے کو رد کرنے کے بجائے اس کی اسلام کاری میں مصروف ہیں یہی اسلام کاری تمام مسئلے پیدا کررہی ہے کفر کی اسلام کاری ممکن نہیں۔ بندگی، اطاعت، شریعت کی تقلید اور آزادی کے عقیدے کبھی اِکٹھے نہیں ہو سکتے ان کو جب مجتمع کرنے کی کوشش کی جائے گی مشال خان کی طرح کسی کی سر بریدہ لاش ہی برآمد ہوگی یہ آزادی کے فتنہ کا نتیجہ ہے یہ اسلام کی علمیت کا نتیجہ نہیں ہے علماء صرف بیانات دے کر عوام کو توہین رسالت کے مسئلے پر فطری ردعمل سے نہیں روک سکتے انھیں یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ ردعمل کا کوئی نظریہ نہیں ہوتا Reaction has no Ideology...ردعمل کو تلقین، تذکیر، تعلیم، نصیحت، فتویٰ بھی نہیں روک سکتا...لوگوں کے جذبات کو صرف تلقین سے نہیں روکا جاسکتا آپ کی غلطی یہ ہے کہ آپ آزادی کے عقیدے کا انکار نہیں کررہے اس کی تردید نہیں کررہے آپ اس عقیدے کا انکار کردیں تمام مسئلہ خود حل ہوجائے گا۔

غیرت کے نام پر قتل کی اجازت شریعت نے نہیں دی لیکن جب پاکستان کی ریاست، خلافت، عدالت... حیاء، عفت وعصمت کو غیر اہم بے کار اقدار سمجھے اور بے شرمی کرنے والی عورتوں کی آزادی کا دفاع کرے...تو ایک عام فرد ردعمل کے تحت اپنی بیٹی، بیوی کو قتل کرکے رہے گا علماء کوئی بھی فتویٰ دیں لوگ عزت کے نام پر قتل کریں گے کیوں کہ ریاست اور اس کی عدالت بھگوڑی عورت کو آزادی کے نام پر بے غیرتی کی اجازت دے کر اس کی بے غیرتی، بے حیائی، ڈھٹائی اور بے شرمی کو قانون کا تحفظ فراہم کرتی ہے اور مشتعل خاندان، قبیلے کے جذبات، احساسات، دکھ درد، غم کے ازالے اور امالے کا کوئی میکانزم اس کے پاس موجود نہیں ہے ۔ریاست کی تعلیم اور حکمت عملی کے نتیجے میں مذہبیت ختم ہورہی ہے اور آزادی کے عقیدے پر ایمان لانے والوں کی تعداد میں اضافہ ہورہا ہے جب بھی گھر سے کسی بھاگی ہوئی لڑکی کو اس کے

ماں باپ خاندان مارنے کی کوشش کرتا ہے تو میڈیا، عدالت، ریاست مارنے والوں کو مجرم قرار دے کر بند کر دیتے ہیں وہ ہمیشہ دوسرے سوال کا جواب دیتے ہیں پہلے سوال کا جواب نہیں دیتے کہ یہ لڑکی گھر سے کیوں بھاگی اس کا ذہن کس نے خراب کیا وہ ایک اجنبی لڑکے کی خاطر اپنی اجتماعیت کو کیوں قربان کرنے پر آمادہ ہوئی؟

میڈیا ہمیشہ دوسرا سوال کیوں پوچھتا ہے؟

سوال یہ ہے کہ پہلا سوال کیا ہے اور دوسرا سوال کیا ہے؟ اس کا جواب اس صدی کے بہت بڑے فلسفی سلاوئژی ژیک نے دیا ہے جو غامدی صاحب کے پسندیدہ ترین فلسفی ہیں اور غامدی صاحب اس کے فلسفے سے بہت متاثر ہیں ۱۹۹۸ء میں جب وہ کراچی کثرت سے آتے تھے تو سلاوئژی ژیک کی کتابیں ان کے ساتھ ہوتی تھیں۔ سلاوئژی ژیک ایک بدتمیز بدقماش فلسفی ہے جسے مغرب میں ایک خطرناک فلسفی سمجھا جاتا ہے جو اپنے فلسفیانہ نکات گالیوں کے ذریعے پیش کرتا ہے اس کا خیال ہے کہ دنیا میں سب سے موثر ترین ذریعہ ابلاغ گالی ہے جس کے ذریعے فی الفور [Immediate] ابلاغ ہو جاتا ہے۔ لہٰذا غامدی صاحب کے پسندیدہ فلسفی کا اصول ان کے اور میڈیا والوں کے فوری ابلاغ کے لیے پیش کیا جا رہا ہے۔

ژی ژیک لکھتا ہے کہ ایک شخص روزانہ پانچ بجے اپنے دفتر سے گھر پہنچتا تھا ایک دن وہ حسن اتفاق سے چار بجے گھر پہنچ گیا اس نے دیکھا کہ اس کی بیوی ایک اجنبی مرد کے ساتھ خواب گاہ میں ہم کلام ہے اس نے اپنی بیوی سے پوچھا یہ کون ہے اور یہاں کیوں ہے؟ یہاں کیا کر رہا ہے؟ (یہ پہلا سوال ہے)۔

بیوی نے جواب دیا یہ سوال غیر اہم ہے کہ یہ کون ہے اور یہاں کیا کر رہا ہے اصل سوال یہ ہے کہ تم یہاں چار بجے کیا کر رہے ہو تمہارے آنے کا وقت پانچ بجے ہے (یہ دوسرا سوال ہے)۔

ژی ژیک کہتا ہے کہ جدید دنیا میں ہمیشہ دوسرے سوال کا جواب دیا جاتا ہے پہلے سوال کو اسی طرح نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ میڈیا اسی طرح ہمیشہ علماء سے دوسرے سوال کا جواب مانگتا ہے۔ قندیل بلوچ کو بھائی نے قتل کر دیا، شریعت میں اس کا کیا حکم ہے؟ پہلے سوال کا جواب نہیں مانگتا کہ قندیل بلوچ اپنا جسم، عزت، عفت، عصمت میڈیا پر بیچ رہی ہے اسکا شریعت میں کیا حکم ہے؟ کیونکہ میڈیا والوں کو پتہ ہے کہ اگر شریعت سے قندیل بلوچ کی زندگی کا حکم پوچھا گیا تو

شریعت کہہ دے گی اسے ٹکڑے ٹکڑے کر کے قتل کر دو۔قتلو اتقتیلا (اور ہماری عدالت اور شریعت کورٹ کبھی اس حکم پر عمل نہیں کرے گی)۔

جب کوئی لڑکی گھر سے ماں باپ کے پیسے، ان کی عزت وآبرو، زیورات لے کر اپنے آشنا کے ساتھ بھاگتی ہے تو پاکستانی ریاست اور عدالت اور میڈیا اس بھگوڑی عورت کے خلاف کوئی خبر نشر نہیں کرتے...وہ علماء کے پاس اس سوال کا جواب مانگنے نہیں آتے کہ یہ عورت جو اپنے خاندان کی اسلام کی، ہماری تہذیبی اقدار وروایات کی پامالی کر کے بھاگی ہے تو اس کا شریعت میں کیا حکم ہے؟ عورت کے بھاگنے کا نوٹس نہ حکومت لیتی ہے نہ عدالت لیتی ہے نہ میڈیا...لیکن جیسے ہی کسی عورت کا خاندان، قبیلہ، رشتہ دار، باپ ماں، بھائی، چچا ردعمل کی نفسیات کے تحت کلہاڑی سے اس عورت کا خاتمہ کرتا ہے تو فوراً ریاست حکومت، عدالت، میڈیا متحرک ہو جاتا ہے اور علماء سے پوچھنے لگتا ہے ہے کہ کیا اسلام میں گھر سے بھاگنے والی عورت کو اس بے دردی سے قتل کر دینا جائز ہے؟ اسلام کیا کہتا ہے ماڈرن ازم ہمیشہ علماء سے دوسرے سوال کا جواب پوچھتا ہے کہ لڑکی کو قتل کرنا کیا جائز ہے۔

اس اصول کے تحت بھارت کی عدالت نے ۹/مارچ ۲۰۱۷ء میں دریائے گنگا کے حقوق کی پامالی کے خلاف ایک درخواست کی سماعت کرتے ہوئے گنگا کو Person کے طور پر تسلیم کر لیا اور اس کے حقوق کے تحفظ کے لیے بھارتی حکومت کو ہدایات جاری کر دیں...لبرل ازم اور اس کے مذہبی دستور منشور انسانی حقوق کے تحت صرف اور صرف ایک فرد کی ملکیت، آزادی اور اظہار رائے کو تحفظ دیا گیا ہے اور یہ تمام حقوق ہمیشہ فرد کی مذہبی، تاریخی اجتماعیتوں [Religius Historical Collectivites] کو تحلیل کرنے، ان کا خاتمہ کرنے اور اس فرد کی تاریخ، مذہب، اقدار، روایات اور دین کے غلبے، تسلط سے نجات دِلانے کے لیے ہر جدید ریاست ہر فرد کو عطا کرتی ہے کیوں کہ جدیدیت کا اصل عقیدہ، اصل دین مذہب صرف اور صرف مطلق آزادی [Absolute Freedom] ہے مگر اس آزادی کے عقیدے کے تحت آزادی کے عقیدے کے خلاف کسی کو بغاوت کی آزادی نہیں ہے جو اس عقیدے کے خلاف بغاوت کرے گا جان رالس کے حکم کے مطابق اسے جنگوں اور جراثیم کی طرح ختم کر دیا جائے گا۔

جدید ریاست اور عدالت صرف فرد کی آزادی کے تحفظ کو ممکن بناتے ہیں اور اس آزادی کی

راہ میں حائل رکاوٹ کو دور کرنے کے لیے فرد کی ہر ممکنہ مدد کرتے ہیں۔ عدالت دستور آئین کے تحت کام کرنے کی پابند ہے اور اس دستور آئین کا ماخذ Fedralist Papers اور ان پیپرز سے نکلنے والے منشور انسانی حقوق ہیں جسے امریکی صدر روز ویلٹ کی اہلیہ ایلنا روز ویلٹ کی کوششوں سے مرتب و منظر کیا گیا۔ عہد حاضر کا مذہب ہے بہت سے سوشل سائنسداں اِس منشور انسانی حقوق کو Civil Religion قرار دیتے ہیں۔

افسوس یہ ہے کہ ہم ان مباحث سے واقف نہیں زاہد الراشدی اور امام خمینی جیسے لوگ انسانی حقوق کے منشور کو خطبہ حجۃ الوداع سے ماخوذ سمجھتے ہیں اس منشور کے خالقین اور مفکرین خطبہ حجۃ الوداع سے ناواقف تھے خطبہ حجۃ الوداع کے اصل مخاطب مسلمان ہیں اور ان کے توسط سے تمام نوع انسانی... جب کہ منشور کا اصل خطاب اس انسان سے ہے جو اٹھارہویں صدی کے جدید مغربی فلسفے سے خلق [Create] ہوا جسے روشن خیال انسان کہتے ہیں جو وحی الٰہی اور عالم دین کو سند تسلیم نہیں کرتا ان کا انکار کرتا ہے خارجی ذرائع علم کا انکار کرتا ہے اس کے بجائے وہ اپنے اندرون میں جھانک کر صرف عقلیت کو ماخذ علم تسلیم کرتا ہے اور زندگی کے تمام فیصلے عقلیت کی بنیاد پر کرتا ہے۔ ایسے انسان کو روشنی اور ہدایت کے لیے اپنے سے باہر، وحی کی طرف، آسمانی کی طرف ،پیغمبر یا عالم دین کی طرف دیکھنے کی ضرورت نہیں وہ ہدایت کے لیے اپنے آپ سے اپنی عقل سے اپنے اندرون سے رجوع کرنے کا پابند ہے اسی رویے کو جدید فلسفے میں روشن خیالی کا عہد کہتے ہیں جب صدیوں سے یہ خدا مرکز کائنات ڈیکارٹ اور کانٹ کے فلسفے کے بعد خدا مرکز سے انسان مرکز کائنات میں تبدیل ہوگئی خدا کی جگہ انسان کی خدائی نے لے لی روشن خیالی کا یہ فلسفہ کانٹ اور فوکالٹ کے مضامین What is enlighteinent میں پڑھا جا سکتا ہے۔

بنیادی اور اُصولی بات جو تمام علماء اور اسلامی تحریکوں کو سمجھنی چاہیے کہ مغرب اسلام سے، علماء سے، اسلامی علمیت سے مکالمے کے لیے تیار ہی نہیں ہے وہ بس یہ چاہتا ہے کہ مسلمان مغرب کی غلامی قبول کر لیں امریکا کا سب سے بڑا فلسفی رچرڈ رارٹی صاف صاف لکھتا ہے کہ ہم نے پوپ سے مکالمہ نہیں کیا تو اسلامی جدیدیت پسندوں سے بھی مکالمہ نہیں کریں گے وہ غامدی، قرضادی، طارق رمضان سے مکالمہ پسند نہیں کرتا تو علماء سے کیسے مکالمہ کرے گا مگر غامدی صاحب، وحیدالدین خان صاحب، قرضاوی صاحب اور طارق رمضان صاحب خواہ مخواہ مکالمے کی باتیں کر رہے ہیں۔

اسلام اور پاکستان ڈاکٹر محمد امین

کیا انتخابات پاکستان میں تحفظ وغلبۂ اسلام کا ذریعہ ہیں؟

ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری صاحب سے ایک مکالمہ

ہمیں کراچی کے بزرگ اسلامی دانشور جناب ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری صاحب کا ایک مضمون موصول ہوا ہے جس میں ڈاکٹر صاحب نے خود کو جماعت اسلامی کی فکر کا نمائندہ سمجھتے ہوئے جماعت کو یہ مشورہ دیا ہے کہ وہ ایم ایم اے بحال کرے اور غیر سیاسی دینی اصلاحی جماعتوں کو ساتھ ملا کر اسلام کے حق میں ایک جذباتی فضا پیدا کرے تو وہ انتخابات جیت کر ملک میں اسلامی انقلاب برپا کر سکتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے خط سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنا مضمون ماہنامہ ترجمان القرآن اور دوسرے جماعتی حلقوں میں بھجوا دیا ہے لہٰذا وہ جانیں اور جماعت۔ البتہ جس چیز نے ہمیں قلم اٹھانے پر اکسایا ہے وہ ڈاکٹر صاحب کے اٹھائے ہوئے دو فکری مباحث ہیں۔

-**ایک یہ کہ** انتخابات پاکستان میں تحفظ وغلبۂ اسلام کا ذریعہ ہیں؟ اور

-**دوسرے یہ کہ** مغرب کے لادین سرمایہ دارانہ نظام کو اس کی جمہوریت کے ذریعے اس کے اندر سے توڑا جا سکتا ہے۔

۱۔ ہم اس بات پر حیران ہیں کہ ڈاکٹر صاحب جیسا جہاندیدہ دانشور اور فلسفی اس بات کو نہیں سمجھ پا رہا کہ کسی فکری وتہذیبی پیراڈائم کے اندر رہتے ہوئے اور اس کے قائم کردہ اداروں کے ذریعے اس کی بنیادی فکر کو چیلنج نہیں کیا جا سکتا اور نہ اس کے قائم کردہ نظام کو توڑا جا سکتا ہے۔ مثلاً کیا وہ یہ تصور کر سکتے ہیں کہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے مخالفین (یعنی قریش) کے تصور الٰہ کو چیلنج نہ کرتے، ان کی بت پرستی کو قبول کر لیتے اور توحید کا نعرہ بلند نہ کرتے تو کیا پھر بھی وہ اسلام کے فکری اور تہذیبی پیراڈائم کے مطابق فرد کو تبدیل کر سکتے اور منفرد اسلامی معاشرہ اور اسلامی ریاست قائم کر سکتے تھے؟ ہرگز نہیں! بلکہ آپ نے اپنی دعوت کا آغاز ہی تصور توحید کے ابلاغ اور مخاطبین کے تصور الٰہ کو چیلنج کرنے سے کیا۔ اس کے بارے میں آپ نے کوئی مداہنت نہیں برتی، نظام کفر کے ساتھ مفاہمت، تلفیق اور تعاون کا نہیں سوچا بلکہ الٰہی ہدایت کے مطابق، پرامن طریقے سے

اسلامی نظریے کے مطابق لوگوں کے فکر ونظر کو تبدیل کر کے، انہیں اپنا ہمنوا بنا کر اور انہیں ساتھ ملا کر اسلامی معاشرہ اور اسلامی ریاست قائم کر دی۔

لہٰذا یہ بات منطقی اور بدیہی ہے کہ اگر آپ کا فکری وتہذیبی پیراڈائم (A) مروجہ فکری وتہذیبی پیراڈائم (B) سے مختلف اور متضاد ہو اور آپ پیراڈائم (B) کے اندر رہتے ہوئے اور اس کے قائم کردہ اداروں کے ذریعے جدوجہد کریں گے تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ آپ اپنی انفرادیت کھو دیں گے اور اس نظام فکر وعمل (B) کا ایک حصہ بن کر رہ جائیں گے۔ کیونکہ ہوتا یہی ہے کہ ہر کہ در کانِ نمک رفت نمک شد۔ (یعنی جو نمک کی کان میں جاتا ہے وہ نمک بن کر رہ جاتا ہے) یعنی آپ جس نظام فکر وعمل کو قبول کر کے اس کے اندر رہ کر کام کرتے ہیں تو وہ آپ کو اپنے اندر جذب کر لیتا ہے۔

ہاں! اگر آپ فکری اور تہذیبی پیراڈائم (B) میں یقین رکھتے ہوں، اس کا ایک حصہ ہوں اور اگر آپ اچھے نظریہ ساز، محنتی اور منتظم ہوں اور ایک اچھا پریشر گروپ یا جماعت/تنظیم بنا کر اسے متحرک کر سکتے ہوں تو آپ اس فکری اور تہذیبی پیراڈائم (B) کے اندر رہتے ہوئے اور اس کے قائم کردہ اداروں کے ذریعے کامیابی حاصل کر سکتے ہیں جیسا کہ ڈاکٹر صاحب محترم نے ٹرمپ اور مودی کی مثال دی کہ اگرچہ وہ اقلیتی نقطۂ نظر کی نمائندگی کرتے ہیں لیکن انہوں نے موثر جدوجہد سے لوگوں کی خواہشات نفس اور جذبات کو ہوا دے کر سیاسی کامیابی حاصل کر لی اور اب اپنے پیش نظر تبدیلیوں پر عمل درآمد کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر انصاری صاحب اگر چاہتے تو اوباما اور ہٹلر کی مثال بھی دے سکتے تھے کہ انہوں نے اسی طرح کامیابی حاصل کی۔

ہمارے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ماضی میں ہٹلر اور اوباما کی کامیابی یا اب ٹرمپ اور مودی کی کامیابی کسی پیراڈائم شفٹ کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ وہ جس فکری اور تہذیبی پیراڈائم میں یقین رکھتے تھے، جس کا وہ حصہ تھے انہوں نے اسی کے قائم کردہ اداروں کو استعمال کیا اور اقلیتی اور منفرد نقطۂ نظر رکھنے کے باوجود کامیاب ہو گئے لیکن ٹرمپ کی اس کامیابی کو پاکستان کی کسی دینی سیاسی جماعت کے لیے ماڈل نہیں بنایا جا سکتا کیونکہ پاکستان کی دینی سیاسی جماعت اسلام کے فکری اور تہذیبی پیراڈائم میں یقین رکھتی ہے اور اس کے قائم کردہ اداروں کے ذریعے ہی اس پیراڈائم کے مقاصد حاصل کر سکتی ہے۔ اگر وہ اسلام کے فکری وتہذیبی پیراڈائم (A) میں یقین رکھتے ہوئے اس سے متضاد کسی دوسرے فکری وتہذیبی پیراڈائم (B) کے قائم کردہ اداروں (جیسے مغرب کا

سرمایہ دارانہ نظام یا لادین جمہوریت) کو استعمال کر کے اپنے فکری وتہذیبی پیراڈائم (A) کے مقاصد حاصل کرنے کی کوشش کرے گی تو وہ اس میں ناکام ہوگی اور منطقی طور پر اسے ناکام ہی ہونا چاہیے۔

یاد رہے کہ پاکستان کی 'اسلامی جموریت' لادین مغربی جمہوریت کا محض چربہ ہے جسے قانونی طور پر قابل قبول بنانے کے لیے اور اشک شوئی کے لیے چند اسلامی اصولوں کی دھونی دے دی گئی ہے جس سے اس کا اور جن، مزاج، اہداف کچھ بھی نہیں بدلتے....اور عملاً نہیں بدلے جس کا مشاہدہ ہم میں سے ہر آدمی آج کر سکتا ہے بلکہ پچھلے ستر سال سے کر رہا ہے۔

۲۔ یہ بتانے کے بعد کہ ہم مغرب کے فکری اور تہذیبی پیراڈائم کے قائم کردہ اداروں (جمہوریت) کے ذریعے تحفظ وغلبۂ اسلام کا مقصد حاصل نہیں کر سکتے، اب ہم یہ بتانے کی کوشش کریں گے کہ آج تحفظ وغلبۂ اسلام کا ہدف کیسے حاصل کیا جا سکتا ہے؟ قرآن وسنت اور سیرت طیبہ کی روشنی میں اس بات کو مندرجہ ذیل نکات میں سمویا جا سکتا ہے:

i۔ ہمیں اس زمینی حقیقت کو تسلیم کر لینا چاہیے کہ مغرب کا فکری وتہذیبی پیراڈائم (B) اسلام کے فکری وتہذیبی پیراڈائم (A) سے نہ صرف مختلف ہے بلکہ اس سے متضاد ہے۔ اس کے تفصیلی دلائل ہم نے اپنی کئی تحریروں میں دیے ہیں لیکن ڈاکٹر صاحب جیسے فاضل کے سامنے ان کو دہرانے کی ضرورت نہیں۔ تاہم قارئین کے سہولتِ فہم کی خاطر ہم مختصراً عرض کرتے ہیں کہ مغرب کی بنیادی آئیڈیالوجی (ہیومنزم، سیکولرزم، لبرلزم، میٹریلزم، کیپٹل ازم وغیرہ) اسلام کے بنیادی عقائد (تصور توحید ورسالت وآخرت سے متضاد ہے۔ اسی طرح مغرب کا ورلڈ ویو (تصور الٰہ، تصور انسان اور تصور کائنات اسلام کے ورلڈ ویو کے خلاف ہے کہ اسلام میں انسان اللہ کا عبد ہے اخروی زندگی کو حیاتِ دنیوی پر ترجیح حاصل ہے اور ایک اللہ تعالیٰ کی ذات خالق، مالک رازق، ہادی، نافع، ضار، محیی وممیت... ہے اور اس کے مقابلے میں مغرب کے ورلڈ ویو کے مطابق انسان خود مختار بلکہ مختار مطلق ہے۔ دنیا کی زندگی ہی سب کچھ ہے اور خدا (God) کے دائرہ کار کا تعین بھی انسان ہی کرتا ہے۔ مغرب کا تصور علم بھی اسلام کے تصور علم سے متضاد ہے کہ وہ وحی کی بلادستی کو رد کرتا اور عقل وحواس اور تجربہ ومشاہدہ کو حتمی علم گردانتا ہے۔ پس جب مغرب کی آئیڈیالوجی، اس کا ورلڈ ویو اور اس کا تصور علم اسلام کے خلاف ہے تو مغرب کے فکری اور تہذیبی

پیراڈائم نے انسان کی اجتماعی زندگی (یعنی سیاست، معیشت، معاشرت، تعلیم، قانون وغیرہ) کے لیے جو ادارے قائم کیے ہیں لامحالہ وہ بھی اپنے طریق کار، مزاج، اہداف میں خلافِ اسلام ہیں۔

مذکورہ بالا تضادات کے علاوہ یہ بھی ذہن میں رہے کہ مغربی فکر و تہذیب کے علمبردار ممالک (امریکہ و یورپ اور ان کے اتحادیوں) کی اسلام اور مسلم دشمنی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں بلکہ انہوں نے ماضی میں بھی مسلم ممالک کو لوٹا، تباہ کیا اور انہیں غلام بنایا اور آج بھی وہ یہی سب کچھ کر رہے ہیں۔ عراق، افغانستان، شام، یمن اور دوسری بہت سی جگہوں پر جو کچھ ہو رہا ہے، اگر ہم ذہنی غلامی کی وجہ سے اس کے خلاف بول نہیں سکتے تو آنکھوں سے دیکھ تو سکتے ہیں۔

علاوہ ازیں اس حوالے سے قرآن و سنت کی تعلیمات ہمارے سامنے رہنی چاہئیں جن میں کہا گیا ہے کہ یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ، وہ تمہارے بہی خواہ نہیں تمہارے دشمن ہیں اور تمہیں دین سے پھیرنا چاہتے ہیں۔[۱] لہٰذا اللہ کی عبودیت اختیار کرو اور طاغوت و ماسوا اللہ کی عبودیت کو ردّ کر دو۔[۲] 'اسلام' کے سوا کوئی دین اللہ کو قابل قبول نہیں[۳] اور کفر کے ساتھ کوئی مفاہمت، تلفیق' اور کچھ لو کچھ دو' کا معاملہ نہیں ہو سکتا۔ ان کا دین ان کے لیے ہے اور ہمارا دین ہمارے لیے ہے۔[۴]

ii۔ سطور بالا (i) میں مذکور حقائق کا تقاضا یہ ہے کہ ہم مغرب کے فکری اور تہذیبی پیراڈائم کو اصولی طور پر ردّ کر دیں اور اس سے مفاہمت، تلفیق اور 'کچھ لو اور کچھ دو' کا معاملہ کرنے کا نہ سوچیں بلکہ اپنے فکری اور تہذیبی پیرڈائم کے مطابق اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی گزارنے پر یکسو ہو جائیں۔ اپنے علوم ڈویلپ کریں اور اپنے اجتماعی ادارے قائم کریں۔

iii۔ اسلام کے فکری اور تہذیبی پیراڈائم کے غلبے کا جو طریقہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو بتایا اور سکھایا وہ یہ تھا کہ آپ نے Zp bz zU'p YYzTzz ûZUØDMeØz bZP D وَيُزَكِّيهِمْ [البقرہ ۲:۱۲۹] پر عمل کرتے ہوئے افراد کو بدلا اور پر امن جدوجہد کے نتیجے میں

---

[۱] آل عمران ۳:۱۱۸ تا ۱۲۰

[۲] البقرہ ۲:۲۵۶

[۳] آل عمران ۳:۸۵

[۴] الکافرون ۱۰۹:۱ تا ۶

اسلامی معاشرہ اور اسلامی ریاست قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ آپ سے پہلے پیغمبروں کو بھی یہی طریقہ سکھایا گیا تھا۔[1] اور آئندہ قیامت تک مسلمانوں کے لیے یہی راہ عمل ہے جیسا کہ امام مالکؒ نے فرمایا تھا کہ [høĐnMTŷÄ LŹMF"ûýrF"EXĈY¶"TŷŃ k ø یعنی اس امت کے آخر کی اصلاح بھی ویسے ہی ہو گی جیسے ابتدائے اسلام میں ہوئی تھی۔

iv۔ چونکہ ہمارے عہد کے مسلم معاشرے اور ریاستیں اصولی طور پر اسی اسلامی معاشرے اور ریاست کا تسلسل ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قائم کیا تھا اور ہمیں اسلامی معاشرے اور ریاست کو عدم سے وجود میں لانے کا چیلنج درپیش نہیں ہے بلکہ ہمیں ایک بگڑے ہوئے مسلم معاشرے اور ریاست کی اسلامی اصولوں پر اصلاح کا چیلنج درپیش ہے اور اس کا طریقہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں 'امر بالمعروف اور نہی عن المنکر' بتایا ہے۔ [آل عمران ۳:۱۱۰] (دعوت، تبلیغ، تعلیم اور تربیت، تزکیہ، اصلاح وغیرہ اسی کے متبادل نام ہیں) تاکہ مسلم فرد کی تبدیلی کے ذریعے مسلم فرد، معاشرہ اور ریاست اس ماڈل کے مطابق کام کرتے رہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قائم کیا تھا یہی اقامتِ دین، احیائے دین اور غلبۂ دین کا صحیح مفہوم اور منہاج ہے۔

v۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے بعد امت کے مختلف گروہوں اور طبقات نے مذکورہ بالا کاموں میں سے کسی ایک کو اپنی کوششوں کا ہدف قرار دے لیا۔ کسی نے تعلیم کے شعبے میں کام شروع کر دیا، کسی نے تزکیۂ نفوس کا کام سنبھال لیا، کسی نے ریاست کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا، اور کسی نے مسلم معاشرے کو نبوی معیار پر باقی رکھنے کے لیے جدوجہد شروع کر دی۔ ظاہر ہے اس میں کچھ غلط نہیں۔ یہ سارے کام اسلامی ہیں، یہ سارے کام کرنے کے ہیں۔ اس میں خرابی کچھ لوگوں کے رویے نے پیدا کی جس کی دو جہتیں ہیں:

- کچھ لوگوں نے کہنا شروع کر دیا کہ ہم جو کام کر رہے ہیں وہ جز نہیں کُل ہے۔ یہ دین کا ایک شعبہ نہیں، پورا دین ہے! اور

- کچھ لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ جو ہم کہہ اور کر رہے ہیں صرف وہی صحیح ہے، باقی لوگ جو کچھ کر رہے ہیں وہ فضول اور غلط ہے۔

---

[1] الاعلیٰ ۸۷:۱۸، ۱۹

چنانچہ ان میں سے ہر گروہ نے اپنے مسلک مشرب، منہج کو واحد سچ قرار دے کر دوسروں کی تغلیط اور ان کا ابطال کرنا شروع کر دیا جس سے قوم میں تفرقہ پیدا ہو گیا اور باہم اخوت ومحبت کی جگہ نفرت اور تعصب نے لے لی۔

۳۔ محولہ بالا تجزیے سے مندرجہ ذیل نتائج مستنبط ہوتے ہیں:

i۔ مغربی طرز کی جمہوریت کے ذریعے پاکستان جیسے اسلامی ملک میں تحفظ وغلبۂ دین کا کام نہیں ہوسکتا۔

ii۔ ہم نے ۳(i) میں جو بات کہی ہے وہ نظری ہے لیکن ہم سب کا ستر سال کا تجربہ اور مشاہدہ اس کی تائید کرتا ہے کہ اس جمہوریت کے نتیجے میں ملک میں اسلام تو نہیں آیا البتہ مغربی فکر وتہذیب ضرور غالب آ گئی ہے۔ اس کا انکار صرف وہی کر سکتا ہے جو بصارت اور بصیرت دونوں سے محروم ہو۔ لہٰذا جن علماء وسکالرز نے کسی خوش فہمی یا غلط فہمی میں کچھ کاغذی کاروائیوں سے 'مغربی جمہوریت' کو 'اسلامی جمہوریت' قرار دے کر اس میں حصہ لینے اور اس کے ذریعے دین کو غالب کرنے کا اجتہاد کیا تھا، عملی تجربے نے ان کا اجتہاد غلط ثابت کر دیا ہے لہٰذا انہیں اپنی رائے پر نظر ثانی کر لینی چاہیے۔

اضافہ از پروفیسر طارق بٹ صاحب

پچھلے دنوں مدیر البرہان سے ایک ملاقات میں انہوں نے ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری صاحب کا مضمون اور اپنا جواب ہمیں پڑھنے کے لیے دیا۔ ہم نے کہا کہ آپ نے حالات کا تجزیہ تو ٹھیک کیا ہے لیکن بات کو نظری پہلو تک محدود رکھا ہے۔ چنانچہ ہم ان کے تجزیے کے عملی نتائج پر کچھ کہنا چاہیں گے۔

ڈاکٹر انصاری صاحب پاکستان کی دینی سیاسی جماعتوں کو ۲۰۱۸ء کا انتخاب جیتنے کے لیے جو حکمت عملی تجویز کر رہے ہیں وہ کاغذی طور پر صحیح ہے اور اس کی آرزو کی جا سکتی ہے یعنی وہ Wishful Thinking پر مبنی ہے لیکن زمینی حقائق کی رو سے وہ قابل عمل نہیں کیونکہ:

ا۔ ہماری دینی سیاسی جماعتیں اپنے اپنے فرقے اور مسلک پر مبنی ہونے کی وجہ سے (جماعت اسلامی کو بھی کئی لوگ اب ایک الگ مسلک قرار دیتے ہیں) اور ایک دوسرے کی

مخالفت کرنے کی وجہ سے (اور دیگر کئی اسباب کی بناء پر جن میں ہر مسلک کے اندر دھڑے بندی بھی شامل ہے) پِٹ چکی ہیں اور ان کا کوئی مستقبل نہیں۔ مولانا فضل الرحمن صاحب کی جمعیت کے پاس خیبر پی کے اور بلوچستان میں چند نشستیں ہیں اور ہر حکومت سے ان کی قیمت وصول کرنے کا ہنر انہیں خوب آتا ہے۔ جماعت اسلامی کی بھی خیبر پی کے میں چند نشستیں ہیں جن کے مزید کم ہونے کا امکان ہے۔ دیگر مسلکی سیاسی جماعتیں اپنی سیاسی اہمیت کھو چکی ہیں اور ان کا کوئی ووٹ بنک نہیں۔

اس وقت مولانا فضل الرحمن کی جمعیت مرکز میں مسلم لیگ کی حمایت کر رہی ہے جبکہ جماعت اسلامی تحریک انصاف کی خیبر پی کے حکومت کا حصہ ہے۔ مولانا کو جماعت اسلامی پر جو غصہ ہے اس کی وجہ سے وہ اگلے انتخابات میں جماعت اسلامی سے اتحاد نہیں کریں گے۔ اور اگر کریں گے تو پہلے اس سے ناک کی لکیریں نکلوائیں گے، اسمبلی کی نشستیں بھی کم دیں گے اور کامیاب ہونے میں ان کی مدد بھی نہیں کریں گے۔ اور اگر اس کے باوجود جماعت اسلامی چند نشستیں جیت گئی تو مولانا انہیں دبا کر رکھیں گے اور جہاں چاہیں گے اور جس قیمت پر چاہیں گے انہیں بیچیں گے۔ جماعت اسلامی شاید یہ ذلت برداشت کرنے کے لیے تیار نہ ہو، لہٰذا ایم ایم اے بحال نہیں ہوسکتا۔ دوسرے مسالک کی سیاسی جماعتوں کی کوئی اہمیت نہیں، وہ جتنے لوگ کھڑے کریں گی وہ ہار جائیں گے۔ ایک آدھ نشست مل گئی تو غنیمت ہے۔

اسمبلی کی نشستوں کی بات تو دور کی ہے مولانا فضل الرحمن صاحب تو ملی یکجہتی کونسل میں دوسری دینی جماعتوں کے ساتھ بیٹھنے کو تیار نہیں، جب تک انہیں اس کا صدر نہ بنایا جائے اور فیصلوں کا کلی اختیار ان کے پاس نہ ہو اور اس کے لیے وہ باقاعدہ دلائل دیتے ہیں لہٰذا دینی جماعتوں کا اتحاد لگتا ہے خواب ہی رہے گا۔

۲۔ جماعت اسلامی کا ووٹ بنک بوجوہ اتنا سکڑ چکا ہے کہ پچھلے انتخابات میں جماعتی رہنماؤں کی ضمانتیں ضبط ہوگئیں۔ ڈاکٹر انصاری صاحب پتہ نہیں اپنی ہلاشیری سے ان شریف لوگوں کو کیوں مزید خراب اور پریشان کرنا چاہتے ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ جماعت اسلامی کا کارکن مایوس ہو چکا ہے، تھک چکا ہے اور عدم یکسوئی کا شکار ہے اور امیر جماعت کے جلسے اور دورے اس کو متحرک نہیں کر سکتے۔ جماعت کے زوال

کے اسباب اور نشاۃ ثانیہ کی حکمت عملی پر غور کے لیے جس اخلاص، ژرف نگاہی، بصیرت، علم اور وژن کی ضرورت ہے، معاف کیجیے گا، وہ ہمیں جماعت کی قیادت میں کہیں نظر نہیں آتا لہٰذا صبر کے سوا چارہ نہیں۔

۳۔ غیر انتخابی سیاسی جماعتیں (جماعت الدعوۃ، تنظیم اسلامی، تحریک اسلامی وغیرہ) بھی آپس میں اتحاد کے لیے اور مل کر کام کرنے کے لیے تیار نہیں لہٰذا وہ بھی انتخابات اور قومی اجتماعی مسائل میں حسب سابق غیر موثر رہیں گی۔

۴۔ تبلیغی اصلاحی جماعتیں (تبلیغی جماعت، دعوت اسلامی، دینی مدارس، خانقاہی سلسلے وغیرہ) کا تصور دین انہیں سیاست میں حصہ لینے یا دینی سیاسی جماعتوں کی فعال حمایت سے روکتا ہے لہٰذا وہ کبھی بھی دینی سیاسی جماعتوں کے پلڑے میں اپنا وزن نہیں ڈالیں گے۔ ہاں! مسلک کی بنیاد پر کچھ ووٹ ممکن ہے دینی سیاسی جماعتوں کو مل جائیں ورنہ ان کے اکثریتی ووٹ حسب سابق سیکولر سیاسی جماعتوں ہی کو ملیں گے۔

۵۔ حالات کے اس تجزیے کے نتیجے میں خوش فہمی کا کوئی جواز یا صورت حال کی اصلاح کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ بس اللہ تعالیٰ سے دعا ہی کی جا سکتی ہے لیکن اس نے بھی اپنا اصول بتا رکھا ہے کہ [illegible] [الرعد ۱۳:۱۱] دوسری طرف بگاڑ کی قوتیں اتنی منظم اور طاقتور ہیں اور مغرب کی بالادست تہذیب ان کی پشت پر ہے اور اس کے گماشتے یعنی مسلم ممالک کے مقتدر طبقات کی کمک بھی انہیں حاصل ہے اور کوئی لمحہ گزرتا ہے کہ حالات کے بگاڑ کا ریلا ہماری دینی قوتوں کو سمندر میں بہا لے جائے گا اور یہ لوگ ہاتھ ملتے رہ جائیں گے۔ لیکن اس وقت کا پچھتاوا کسی کے کام نہ آئے گا۔

یا اللہ! ہمارے حال پر رحم فرما!

اسلام اور مغرب

ڈاکٹر نادر عقیل انصاری

تہذیبی ارتداد میں غامدی صاحب کا کردار

اُن کے بیس سالہ پرانے دوست کی رائے

احقر ۱۹۸۶ ء میں جاوید غامدی صاحب سے متعارف ہوا، اور تقریباً بیس برس مختلف حیثیتوں میں المورد اور اس کی فکر سے وابستہ رہا۔ میں اس دوران المورد کا صدر رہا، ماہنامہ اشراق اور انگریزی ماہنامے ''رینی ساں'' کا مدیر رہا، اور المورد میں پڑھا بھی اور پڑھایا بھی۔ اس تمام مدت کے دوران غور وفکر اور مطالعہ جاری رکھا۔ غالباً ۲۰۰۵ء کے قریب مجھے اس فرقے سے دینی و فکری اختلافات پیدا ہونے شروع ہوئے۔ مجھے احساس ہونے لگا کہ غامدی صاحب کے کام میں بعض بنیادی دینی اور علمی سقم ہیں۔ جاوید غامدی صاحب اور المورد کے رفقاء کے ساتھ بہت گفتگوئیں ہوئیں، مذاکرے اور مباحثے ہوئے، حتیٰ کہ تحریری تبادلہ خیال بھی ہوا، جو سنہ ۲۰۱۰ءء تک جاری رہا، جس میں درجنوں خطوط کا تبادلہ ہوا۔ لیکن اس تبادلے سے اس فرقے کے بارے میں میرے نتائجِ فکر کی تصدیق ہی ہوئی۔

میری بعض تحریروں سے کچھ قارئین کو غلط فہمی ہوئی ہے کہ جاوید غامدی صاحب سے میرے اختلاف کی اصل وجہ یہ ہے کہ وہ منکرِ حدیث ہیں۔ یہ درست نہیں ہے۔ منکرِ حدیث تو وہ ہیں ہی، لیکن ان کی اصل غلطی یہ نہیں ہے، بلکہ یہ ہے کہ وہ دین کی تمام نصوصِ مطہرہ کو مغربیت کی گاڑی میں جوتنے کی کوشش کرتے ہیں، اور اس اعتبار سے انکارِ حدیث انہیں موافق آیا ہے۔ اس سے بھی زیادہ ہولناک نتیجہ یہ نکلا ہے کہ انہوں نے قرآن مجید کی تعبیر پر بھی استعماری جدیدیت کی حاکمیت قائم کرنے کی سعی کی ہے۔ قرآن مجید کی متجددانہ اور استعماری تعبیر اور انکارِ حدیث مقاصد نہیں، ذرائع ہیں۔ اس وقت مسلمانوں کو جو سب سے بڑا خطرہ درپیش ہے وہ جدیدیت کا تہذیبی، علمی، اور فکری حملہ ہے، جس کے آگے غامدی صاحب دانستہ یا نادانستہ سپر ڈال چکے ہیں۔ وہ مغربی فکر سے کوئی زیادہ واقف نہیں ہیں، لیکن اس کا جو مبتدیانہ فہم رکھتے ہیں، اس کی وجہ سے اور اس سے زیادہ مغربی تہذیب کے اقتدار اور غلبہ کی وسعت و گیرائی اور اس کی چکاچوند کے آگے فکری بے بسی کی وجہ سے اسلام کو مغربی تہذیب کا محتاج تسلیم کر چکے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے دینی نصوص کو اس

مقصد میں پوری طرح کھپا دیا ہے۔ مئے فرنگ کے ایک دو گھونٹ لے کر ہی ان کے علم و فکر شل ہو گئے، اور یہ شطحات ان کی زبان سے اسی عالمِ سکر میں صادر ہوئی ہیں:

''اب جہاد لا علائے کلمۃ الحق حرام ہے''

''ہمارے دور میں جزیے کا نفاذ غیر اسلامی ہے''

''قبائلی مسلمانوں کی طاقت ختم کر کے انہیں تحلیل کر دینا چاہیئے''

زکوٰۃ کا نصاب مقرر کرنے کا حق حکومت کو ہے''

''توہین رسالت اور ارتداد کی کوئی سزا نہیں''

''جمہوریت عین اسلام ہے''

''شادی شدہ زانی و زانیہ کے لیے رجم کی سزا غیر اسلامی ہے''

''قومی ریاست کوئی کفر نہیں''!

جو اہل علم ان کی دینی آراء سے واقف ہیں وہ اس کی تصدیق کریں گے کہ اپنے تفردات اور اپنی تمام مابہ الامتیاز آراء کے نتیجے میں، انہوں نے جدیدیت کے کسی نہ کسی پہلو کو ''قرآنی سند'' مہیا کرنے کی کوشش کی ہے، اور ''حسنِ اتفاق'' سے، ان کے ''اجتہادات'' کا وزن ہر مرتبہ جدیدیت ہی کے حق میں پڑا ہے! مسلمانوں کا ایک کھاتا پیتا اور مغربی تعلیم یافتہ طبقہ عملاً جدیدیت کی ثقافت کو اختیار کر چکا ہے، اور مدت سے اپنے اس ''تہذیبی ارتداد'' پر احساسِ جرم کا شکار چلا آتا ہے۔ غامدی صاحب نے اس تہذیبی ارتداد کو ''دینی نصوص'' سے مستحکم کرنے کا بیڑہ اٹھایا ہے۔ اُن جیسے متجددین کے کام کے نتیجے میں اس طبقے کا یہ احساسِ زیاں رفتہ رفتہ رفع ہو رہا ہے۔ اس طبقے میں ان کی مقبولیت کی وجہ بھی یہی ہے۔ بے شک، جدید اسلام کا ایک بڑا therapeutic کردار ہے، یعنی جدید اسلام دراصل ماڈرن مسلمان کے guilt کی دوا ہے۔ المیہ یہ ہے کہ یہ دوا جرم کو نہیں، احساسِ جرم کو مٹاتی ہے، اور اس کے نتیجے میں مجرم کو اور بھی زیادہ جری اور بے باک بنا دیتی ہے۔''